میرے وائلن کے تاروں میں

عشنا کوثر سردار

میرے وائلن کے تاروں میں

ڈیوڈ برگنزا سے ملنے کے بعد وہ ''کراچی سکول آف میوزک'' سے نکل رہی تھی، جب فارینہ اکبر چلتی ہوئی اس کے سامنے آ رکی۔

''تم......؟'' وہ عجیب چونکنے والے انداز میں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ فارینہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''تم شاید میری توقع نہیں کر رہی تھیں..... ہے نا؟''

ثنالیہ کمال اسے کچھ دیر یونہی خاموشی سے تکتی رہی تھی، پھر سر نفی میں ہلاتی ہوئی اس کی طرف سے دھیان ہٹا گئی۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' بہت دھیمے لہجے میں کہہ کر وہ قدم اٹھانے لگی۔ فارینہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔ کتنے دنوں سے وہ اس سے کچھ کھنچی کھنچی سی تھی۔ کتنے دنوں سے سرد مہری سی رویوں میں در آئی تھی، اور ایسا ثنالیہ کمال کی طرف سے زیادہ تھا۔ فارینہ کو یہ بات معلوم تھی، اور یہ اس کی غلط فہمی قطعی نہیں تھی، مگر وہ اسے جتانا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی اسی روٹین سے اس سے بات چیت کر رہی تھی۔ اسے کسی بات کا احساس دلائے بغیر۔

''کیا عجیب عجیب شوق پال رکھے ہیں تم نے۔ اب بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔ تم میوزک پر ریسرچ کر رہی ہو ہاؤ فنی۔'' فارینہ نے بہت دھیمے سے کہتے ہوئے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ ثنالیہ کمال کے لئے نہ تو اس کا سوال نیا تھا، نہ ہی اس کا انداز۔ وہ چونکے بغیر اسے بہت ملائمت سے دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ تبھی فارینہ اکبر اسے بہت حیرت سے تکتی

ہوئی گویا ہوئی تھی۔

”ایک بات کہوں؟“

”ہوں۔“ وہ چہرے پر آئے بالوں کی لٹوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

”تمہیں نہیں لگتا‘ تم ان دنوں کچھ عجیب و غریب ہو رہی ہو؟“ اس کا انکشاف اگرچہ حیران کن تھا‘ مگر وہ چونکی نہیں تھی۔ رستے پر نگاہ جمائے یونہی چلتی رہی تھی۔ فارینہ اس کی خاموشی پر اسے دیکھتی ہوئی دوبارہ گویا ہوئی تھی۔

”گھر فون کیا تو بے بے سے پتہ چلا کہ تم یہاں ہو...... کیا واقعی تم ڈیوڈ برگنزا سے وائلن بجانا سیکھ رہی ہو؟“ فارینہ کا لہجہ حیران کن تھا۔ نتالیہ کمال چہرے کا رخ پھیرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

”تمہیں اعتراض زیادہ کس بات پر ہے‘ میوزک پر ریسرچ کرنے پر‘ یا پھر ڈیوڈ برگنزا سے وائلن سیکھنے پر؟“ فارینہ نے اسے دیکھا تھا‘ پھر ہنس دی تھی۔

”سچ کہوں...... دونوں باتوں پر...... ایسے تم کیا سمجھتی ہو‘ کیا یہ سودمند ہے۔ تمہیں ریسرچ ہی کرنا تھی‘ تو کسی مستند ٹاپک پر کی ہوتی۔ اس میوزک کی کیا لوجک ہے‘ اور وہ بھی پاپ میوزک...... اگر کسی ڈھنگ کے موضوع کا انتخاب کیا ہوتا تو باقاعدہ ایم فل کی ڈگری ملتی‘ پھر پی ایچ ڈی کے لئے راہ نکل آتی۔ کسی بین الاقوامی یونیورسٹی میں تمہارا تقرر ہو جاتا‘ اگر تم سمجھ رہی ہو کہ ان اوٹ پٹانگ چکروں میں خود کو کھپا کر تم کوئی معرکہ سر کر سکو گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ اب تک کم از کم یہ مذہبی سرزمین‘ ایسی ریسرچز کے لئے قطعاً سودمند نہیں۔ یہ سب یورپین لوگوں کے چونچلے ہیں۔ جنہیں نہ صرف حکومت سے اس سلسلے میں بھاری گرانٹ ملتی ہے‘ بلکہ داد و تحسین بھی۔ یہاں ایسا کرنے کا مطلب ہے‘ فقط وقت کا زیاں اور پیسے کا بے جا خرچ۔“ فارینہ کا انداز ناصحانہ تھا‘ مگر نتالیہ کمال کے چہرے کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے فارینہ کی طرف دیکھا تھا۔

”یہی تو بات ہے‘ میں مڈل کلاس نہیں ہوں۔ اس لئے جو چاہتی ہوں‘ کرتی ہوں۔ خیر چھوڑو‘ کوئی کام تھا کیا؟“ وہ دوسرے ہی پل بہت رسانیت سے دریافت کر رہی تھی‘ اور فارینہ اکبر اس کا چہرہ تکتی رہ گئی تھی۔ پھر جانے کیا سوچ کر قدرے توقف سے نفی میں ہلا دیا

تھا۔

”کیا ہم کسی کام کے بغیر نہیں مل سکتے......؟“

اور نتالیہ تب شاید مروتاً بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔ تبھی فارینہ اکبر اسے دیکھتے ہوئے نگاہ پھیر گئی تھی۔

”تمہیں فقط ایک فرد واحد کے کیے کی سزا ساری دنیا کو نہیں دینی چاہیے۔ تم دن بدن خود کو تنہا کرتی چلی جا رہی ہو۔ تمہیں کیا لگتا ہے‘ کیا ایسا کر کے تم جی سکو گی؟“

”آئی ایم آلائیو...... اسٹل آلائیو!“ وہ دھیمے انداز میں اپنے مخصوص پُراعتماد لہجے میں گویا تھی۔

”اپنا نہیں تو بے بے کا خیال کرو...... فیضی کا خیال کرو۔ آخر تم اتنی انتہا پسند کیوں ہو رہی ہو؟“

نتالیہ کمال نے اسے سرسری انداز میں دیکھا تھا‘ پھر حتمی انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

”کیا یہی سب باور کرانے تم یہاں آئی تھیں؟“

”نتالیہ کمال!“ فارینہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا‘ مگر وہ اسی سرد مہر انداز میں ایک جانب دیکھتی رہی تھی۔

”مت سزا دو خود کو‘ اس قدر نتالیہ کمال‘ اپنے گرد خول اتنا تنگ مت کرو کہ تم تنہا رہ جاؤ‘ اور......“ فارینہ اکبر کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی‘ پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی اس پر ایک نگاہ ڈالتی ہوئی پلٹی تھی‘ اور اس سے دور نکلتی چلی گئی تھی۔

نتالیہ کمال نے بہت خاموشی سے اس منظر کو دیکھا تھا‘ پھر چہرے کا رخ پھیر کر بہت آہستگی کے ساتھ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔

✦ ◈ ✖

چلو کچھ دیر انتظار کریں!
شاید کہ اس کے دل سے بدگمانی کی برف پگھل جائے!
شاید کہ اس کی انا کا سورج ایک دن ڈھل جائے!
شاید کہ وہ بھی ہم سے ملنے کو مچل جائے!

چلو کچھ دیر انتظار کریں!
مقدر کی تاریک راتوں کے جانے کا!
اس بچھڑے دوست کے لوٹ آنے کا!
اس کو بھی خیال آئے ہمیں منانے کا!
چلو کچھ دیر انتظار کریں!

وہ آنکھیں میچے ایک بے خودی کے عالم میں وائلن کے سُر بکھیرے جا رہی تھی۔ کمرے میں بکھری دُھن نے پورے ماحول کو اپنے سنگ باندھ لیا تھا۔ بہت زیادہ اضطراب جیسے اس پورے ماحول میں رقص کر رہا تھا۔ ایک عجب یاسیت تھی، سوگواری تھی، جو ماحول پر طاری تھی۔

ساز میں سوز تھا، کرب تھا۔

ستالیہ کمال کا اندر جیسے محوِ گفتگو تھا۔ اس کا دل جیسے بول رہا تھا۔ کیسی سرگوشیاں تھیں کہ پورے ماحول کو سوگوار کر رہی تھیں۔ کیسی باتیں تھیں کہ اضطراب بن کر ساری فضا کو اپنے سنگ باندھتی چلی جا رہی تھیں۔

پورا کمرہ جیسے اس اندر سے نکلنے والی دُھن کی لپیٹ میں تھا، اور وہ خود میں محو کومل لڑکی مسلسل وائلن کے تاروں سے کھیلتے ہوئے اپنے اندر کا بوجھ ہلکا کرتی جا رہی تھی۔

پچھلے دنوں جب وہ میوزک ریسرچ کے سلسلے میں "کراچی سکول آف میوزک" گئی تھی، تو اس کے علم میں نہ تھا کہ وہاں جا کر اسے اپنے "اندر" کو باہر لانے کا اس طرح بھی موقع ملے گا۔ وہ سب کچھ جو اس کے اندر تھا، اور وہ سب کچھ جو فرسٹریشن کا سبب تھا، جو ڈپریشن پیدا کرتا تھا، اور وہ اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھی۔

"میوزک ایموشنز کا بہترین اظہار ہے، جو آپ کے اندر سے اسے باہر منتقل کر کے آپ کو ریلیف پہنچاتا ہے، ریلیکس کرتا ہے، اگر آپ کو خود سے باتیں کرنا ہیں، تو میوزک کا سہارا لیجئے، اگر آپ کو خاموشی مار رہی ہے، تو میوزک کے ذریعے گفتگو کرنا سیکھئے...... ساز سے اس خاموشی کو زبان دیجئے...... اگر بہت سے سوال آپ کو مسلسل درپیش ہوں، اور مسلسل آپ قتل ہو رہے ہوں، تو ان سوالوں کے جواب اس ساز کے ذریعے تلاش کیجئے۔ بہت سے قتل کرنے والے سوالات اس بولتی حس سے آپ کو دم توڑتے محسوس ہوں گے۔ بجائے خود کو

ان سوالات میں دفن کرنے کے، ان کے جوابات تلاش کرنا آسان راہ ہے، اور یہ قطعاً مشکل نہیں۔ میوزک ایک مکمل زبان ہے، ایک مکمل اظہار ہے، بہت سے قتل کرنے والے سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی ایک آسان راہ ہے۔"

ڈیوڈ برگنزا کی آواز پر اس کے قدم خود بخود تھم گئے تھے، اور وہ عجیب سی بے خودی کے انداز میں چلتی ہوئی ان کے قریب جا رکی تھی، اور تب وہ ایک فیصلے پر پہنچتی ہوئی بہت آہستگی سے ان سٹوڈنٹس کی فہرست میں شامل ہو گئی تھی۔ شاید اسے بھی ان بہت سے خاموشی سے قتل کر دینے والے سوالات کا سامنا تھا، جن کے جوابات اس کے پاس تاحال نہیں تھے، اور وہ خاموشی کے ساتھ اپنے وجود کو ان سوالات تلے خود کو دفن ہوتے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ تبھی وہ وائلن کے تاروں سے کھیلنے لگی تھی۔

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے
وہ بس رہا ہے، مرے وائلن کے تاروں میں

پہلے پہل جب اس نے وائلن کے تاروں کو چھوا تھا، تو وہ حیران ہوئی تھی۔

اس نے جب سُر چھیڑے تھے، تو جیسے اس کا سارا اندر بولنے لگا تھا۔ پہلے پہل اسے ان باتوں کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

زبان نافہم تھی، انداز دقیق تھا، اور وہ الجھتی ہوئی تاروں سے کھیلتی چلی گئی تھی، اور تب آہستہ آہستہ اسے ان خاموشیوں کی زبان سمجھ آنے لگی تھی۔

تب کیسے کیسے انکشافات ہوئے تھے، اس پر اور وہ اس بولتی چپ کو سنتی ہوئی ساکت سی رہ گئی تھی۔ وہ تو ابھی تک انہی منظروں میں قید تھی...... اسی ماحول کا حصہ تھی۔ اسی جادو کے زیرِ اثر تھی۔ اسی خیال کے سنگ ہاتھ تھامے بے خودی چل رہی تھی۔ بولنے کا قصد کیا تھا...... بھلانا بھی چاہا تھا۔ ہزار ہا کوششیں بھی کی تھیں، مگر کیسے بے سود رہا تھا سب کچھ......

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے
وہ بس رہا ہے، مرے وائلن کے تاروں میں

دل کیسے چونکا تھا، لمحہ بھر میں...... تو کیا...... وہ اب بھی اس کے اندر تھا، اس کے سنگ سنگ تھا۔ اس کے ساتھ نہ ہو کر بھی...... ہاتھ چھڑا لینے کے بعد بھی۔ کیا اب بھی...... سارے خیال اسی کے سنگ بندھے ہوئے تھے۔ اسی کے باعث اندر اتنا ہجوم سا تھا۔

اور تب اس نے وائلن اٹھا کر ایک طرف اچھال دیا تھا' اور کتنے مزید طریقوں سے وہ اپنے آپ کی نفی کرنے لگی تھی۔

کتنی...... کتنی کوششیں "رائیگاں" گئی تھیں۔

کتنے "عمل" بے عمل ٹھہرے تھے' اور تب اس پر کھلا تھا کہ سب بے سود ہے' اور ساری کوششیں رائیگاں ہیں۔

کمرے میں ایک کونے میں پڑا وائلن گرد سے اٹ گیا تھا' اور وہ بھاگتے بھاگتے تھک گئی تھی۔ اندر چیختے چلاتے سوال اسے دن بدن قتل کرتے جا رہے تھے' کیونکہ اس کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا' اور وہ بہت چپکے سے اپنے وجود کو ان سوالات تلے دفن ہوتا دیکھ رہی تھی۔

کتنے دن اسی کیفیت میں گزر گئے تھے' اور تب جب وہ اس سارے عمل سے تھک گئی تھی' تب اس نے ایک روز چپکے سے وائلن کو اٹھا لیا تھا' اور اسے ملائم نرم ہاتھوں سے اس پر جمی گرد کو ہولے ہولے پونچھنے لگی تھی' اس کے پرتپش ملائم ہاتھوں کا لمس پاتے ہی جیسے وائلن کے سارے سوئے سُر جاگ اُٹھے تھے۔ سارے راگ جیسے زندہ ہو گئے تھے۔

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے
وہ بس رہا ہے' مرے وائلن کے تاروں میں

مگر اب وہ بھاگنا نہیں چاہتی تھی' جان گئی تھی کہ یہ سب بے سود ہوگا۔ اس کے اندر کی بولتی چپ اسے چپکے چپکے مارتی چلی جائے گی' اور وہ اس "خاموشی" کے ہاتھوں دن بدن موت تلے دفن ہوتی چلی جائے گی۔ تبھی وہ رک گئی تھی' اور اپنے اندر کی تمام تر خوداعتمادی کو جمع کرتے ہوئے اپنی منقسم ذات کو پھر سے یکجا کرنے لگی تھی۔ مجھے تم سے محبت نہیں ہے آہن التمش۔

ہاں نہیں ہے مجھے تم سے محبت!
تمہیں میں اندر سے باہر نکال دینا چاہتی ہوں۔
اپنے وجود کو خالی کر دینا چاہتی ہوں...... ہر احساس سے!
میں ان تمام سوالات کے جواب پانا چاہتی ہوں' جو چپکے چپکے مجھے قتل کر رہے ہیں
میں تمہیں بھول جانا چاہتی ہوں آہن التمش!

مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔

وہ اپنی پوری طاقت سے چیختی چلی گئی تھی' اور کتنے بہت سے آنسو چپ چاپ رخساروں کو بھگوتے ہوئے اس کی نفی کرتے چلے گئے تھے۔

✦ ◈ ✖

بے بے نے شیشوں کے آگے سے پردے سرکائے تھے' اور سورج کی روشنی شیشوں سے چھن کر آتی ہوئی ڈائریکٹ اس کے چہرے پر تھی۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ بے بے نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"آج یونیورسٹی نہیں جانا تجھے؟" اس پر جھک کر بہت محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ مکمل طور پر جاگتی ہوئی انہیں دیکھنے لگی تھی۔ تبھی بے بے گویا ہوئی تھیں۔

"فیض کہہ رہا تھا' اگر تم چاہو تو یونیورسٹی کے بعد کا وقت تم اس کے ساتھ بزنس پریکٹس کرتے ہوئے گزار سکتی ہو۔ یوں بھی ایم بی اے کر کے تمہیں گھر تو بیٹھنا نہیں ہے۔ اسی بہانے اِدھر اُدھر کی سوچوں سے بچ جاؤ گی۔ تمہارا منیجر مارکیٹنگ ہے نا' بتا رہا تھا اچھا خاصا سکوپ ہے اس کا۔ بس تم کل سے فیض کی طرف چلی جانا۔ سگا ماموں نہ سہی...... تمہاری ماں کا فرسٹ کزن ہے۔ ماموں ہی ہے۔ تمہارا بھلا ہی سوچے گا۔" بے بے نے کہہ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ کمبل ایک طرف ہٹاتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔ سائیڈ ٹیبل سے ہیئر کیچ اٹھاتے ہوئے بالوں کو مقید کیا تھا' پھر سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ بشیر سے کہہ کر ناشتہ تیار کروا دیجئے۔ میں تیار ہو کر پہنچ رہی ہوں۔"

بے بے نے اسے بغور دیکھا تھا۔ چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ تھکن کے آثار واضح ترین تھے۔

"کیا حشر کر لیا ہے اپنا تم نے...... کسی ایک مرکز پر جم کر رہو تو یہ حال تو نہ ہو۔ ایک وقت میں ہزار کام نمٹانے کی ٹھان رکھی ہے۔ اس پر ایسا تو ہوگا ہی۔ صحت دیکھو کیسے گر رہی ہے دن بدن' اور چہرہ پھیکا شلجم جیسا لگ رہا ہے' کچھ وقت اپنے لئے بھی نکال لو۔"

بے بے نے ہمیشہ کی طرح اس کی صحت کے متعلق پریشانی میں مبتلا ہوتے ہوئے اسے دیکھا تھا' اور وہ سنی اَن سنی کرتی ہوئی دوسرے ہی پل واش روم میں گھس گئی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ فیض انکل کے پاس اسے بھیجنے کا مقصد کیا ہے۔ بات مصروفیت یا روزگار کی قطعاً نہ تھی۔ گرین وچ سے نکلنے کے بعد اسے جاب تو کہیں نہ کہیں مل ہی جانا تھی۔

مصروفیت بھی کم نہ تھی۔ اس نے اس ہدایت نامے سے قبل ہی خود کو کئی خانوں میں بانٹ رکھا تھا، کئی حصوں میں منقسم کر رکھا تھا۔ بات ایسی کچھ نہ تھی...... بات ساری یہ تھی کہ اس کی پیاری نانی اماں یعنی بے بے عام ماؤں کی طرح اس کے مستقبل کا ہمسفر ڈھونڈنے میں سرگرداں تھیں اور فیض انکل ایک عدد قدرے لائق قسم کے فرزند کے والد محترم تھے، سو وہاں بھیجنے کا جواز معقول ترین تھا۔

بے بے کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

جب وہ ناشتہ کر رہی تھی، تب بھی شاید اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ تبھی شاید بے بے نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کس بات پر مسکرا رہی ہو مسلسل تم؟" ثنالیہ چونکی تھی، پھر لب بھینچے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"پھر جاؤ گی نا تم فیض کی طرف؟"

"جی، سوچوں گی۔" اس نے سر ہلایا تھا۔

"میں چاہتی ہوں، تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔ میری حیثیت تو چراغ سحری کی مانند ہے، اب بجھا کہ تب...... میں اپنی زندگی ہی میں تمہیں کسی مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ فیضی تو ابھی چھوٹا ہے، اس کی بات بھی مختلف ہے۔ لڑکا ہے...... جیسے تیسے دنیا کے رنگ ڈھنگ کے ساتھ جینا سیکھ ہی لے گا بات تمہاری ہے...... میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد......"

"بے بے!" ان کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی ثنالیہ نے تنبیہی انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ "خدا کے لئے ایسی باتیں مت کریں۔ آپ جانتی ہیں، آپ میری قوت ہیں، اور بہت سا جینا ہے آپ کو ابھی...... ایسی بری بری باتیں منہ سے مت نکالیں۔"

"تو پھر جاؤ گی نا تم فیض کی طرف؟"

"آپ کی خاطر جانا پڑے گا، ورنہ آپ اتنی جذباتی قسم کی باتیں کر کر کے میری جان دہلاتی رہیں گی۔" وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔ بے بے سے خاصا دوستانہ ماحول تھا، تبھی جواباً وہ بھی مسکرا دی تھیں۔

"مگر وہاں جانے کا مقصد، فقط بزنس پریکٹس ہی ہوگا، کچھ اور نہیں ہاں۔" باور کراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔ بے بے نے ناچار سر ہلایا تھا۔ وہ ان کے ارادوں سے واقفیت

رکھتی تھی، تبھی اس گھڑی مسکرا دی تھی۔

"اوکے...... آج یونیورسٹی کے بعد فیض انکل کی طرف نکل جاؤں گی، مگر یہ بات طے ہے، آپ کچھ غلط سلط مت سوچئے گا، اس حدید کے بچے کی دال میں قطعاً نہیں گلنے دوں گی۔"

چیئر دھکیل کر اٹھتے ہوئے اس نے بیگ کاندھے پر ڈالتے ہوئے فائل تھامی تھی، اور نانی اماں نے ناچار سر ہلا دیا تھا۔

✦ ◈ ✦

کتنا مشکل ہے، فقط دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے اپنی ذات کی نفی کرنا، مگر وہ مسلسل کر رہی تھی۔ کتنے بہت سے خول چڑھا لئے تھے اس نے خود پر...... مگر جانے کیوں پھر بھی اسے لگتا تھا کہ ہر نگاہ اسے دیکھ رہی ہو، اسے کھوج رہی ہو، اسے پڑھ رہی ہو۔

اور تب وہ خود میں اور بھی سمٹنے لگتی تھی، اور بھی کٹنے لگتی تھی۔ اردگرد کے ماحول سے اور بھی دامن بچانے لگتی تھی، وہ اس تمام صورتحال میں اور بھی الجھنے لگتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کوئی اسے پڑھے، اسے سمجھے، وہ خود کو کھلی کتاب کی مانند نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ عام فہم نہیں بننا چاہتی تھی۔ شاید تبھی اپنے گرد تنے خول کو مزید تنگ کرتی چلی جا رہی تھی۔

مگر اس کے باوجود جانے کیوں اسے بے بے کی نظریں کھوجتی ہوئی نظر آتیں، اور تب وہ تمام کیفیت کو بدلنے کے لئے کبھی چہرے کا رخ پھیر لیتی، کبھی بے وجہ کھلکھلا کر ہنسنے لگتی، اور کبھی یونہی بات کا رخ بدل دیتی۔ اس کے باوجود اسے لگتا، بے بے اسے بغور تک رہی ہیں، اور تب وہ کسی بہانے سے وہ مقام ہی چھوڑ دیتی۔

بے بے نے ممی کے بعد اسے ماں بن کر پالا تھا، اور ماں کی نگاہ بے حد گہری ہوتی ہے۔ پتہ نہیں واقعی وہ اس کے اندر کے انتشار پر چونکی تھیں کہ نہیں، مگر ثنالیہ کمال کی حتی الامکان کوشش تھی کہ اس تمام سانحے کی خبر نہ ہو۔ انہیں پتہ نہ چلے کہ کوئی داستان اس کی آنکھوں میں رقم ہے۔ کسی کی بے وفائی اور کج ادائی، اس کے چہرے پر درج ہے، کسی ہرجائی کی یاد اس کی سرخ آنکھوں میں مسلسل ایک موسم بن کر ٹھہر گئی ہے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک "فریب" کے حصار سے نکل نہیں پا رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بے بے کو کم از کم پتہ چلے کہ وہ ہار گئی ہے۔

یہی سب اسباب تھے' جو اسے مسلسل فرار پر مائل کر رہے تھے' اور وہ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ فقط اس صورت حال سے بچنے کے لئے اس نے گھر میں کم سے کم وقت گزارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس وقت سے خوفزدہ تھی' جب بے بے اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے اس کیفیت کے متعلق دریافت کرتیں...... اور وہ...... شاید گنگ رہ جاتی' کوئی جواب دے ہی نہ پاتی۔

اور انہی لمحات سے وہ خوفزدہ تھی۔ تبھی فرار کے تمام راستے اس کے قدموں میں تھے' اور وہ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ اس روز وہ فیضی کے ساتھ کیرم کھیل رہی تھی' جب بے بے نے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''وہ تمہاری دوست فارینہ بہت دنوں سے غائب ہے...... خیریت تو ہے؟''

اور وہ اگرچہ ان تمام باتوں کے لئے تیار تھی' مگر اس کے باوجود اس لمحے اس چہرے کو یکدم نمودار ہو جانے والے تاثر سے بچا نہ سکی تھی۔ ایک لمحے میں اس کے ہاتھ ساکت ہوئے تھے' اور وہ بت سی بن گئی تھی۔ تبھی بے بے نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔

''کہیں ناراضگی وغیرہ تو نہیں ہو گئی کوئی۔ وہ تو تمہارے بغیر رہ نہیں سکتی' نہ تم کو اس سے ملے بغیر چین آتا ہے۔ پھر......؟'' بے بے کا سوال ایک بار پھر اس کی مشکلات بڑھا گیا تھا۔

وہ ان تمام کیفیات سے بچنا چاہتی تھی۔ اٹھ کر فوراً بھاگ جانا چاہتی تھی' مگر فرار کی ہر راہ اس گھڑی مسدود تھی' اور وہ مکمل طور پر بے بس تھی۔ تبھی بہت آہستگی سے سر اٹھاتے ہوئے بے بے کو دیکھنے لگی تھی۔

''وہ بے بے مصروفیت بہت ہے نا' سٹڈی ہی اتنی ٹف ہے۔ سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں' پھر میں مصروف بھی تو بہت ہو گئی ہوں۔ گھر میں ٹکتی ہی کہاں ہوں' جو وہ آئے اور ملے۔ اس روز بھی غالباً اس نے آپ سے فون کر کے کنفرم کیا تھا' اور مجھ سے ملنے ''کراچی سکول آف میوزک'' پہنچ گئی تھی۔ آپ جانتی ہیں' دیکھ تو رہی ہیں کس قدر مصروف ہو گئی ہوں میں۔ صحیح معنوں میں میں نے آپ کی باتوں پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ آپ ہی تو ہمیشہ کہتی تھیں' وقت کی قدر کرو' وقت زر جیسا ہوتا ہے' سو میں وہی کر رہی ہوں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے بے بے۔ اب میں نے اپنے وقت کو دولت سمجھ کر خرچ کرنا شروع کر دیا ہے۔'' وہ بہت سی وضاحتیں ایک ساتھ دیتے ہوئے ہولے سے مسکرائی تھی۔

بے بے نے اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا' اور اسے ان کی چپ مار گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا تھا۔

وہ بہت بدل گئی تھی۔ مسلسل بدل رہی تھی۔ بے بے کیا سمجھ نہ پاتیں؟ جہاندیدہ تھیں' عمر رسیدہ تھیں' کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ تغیرات کس طور رونما ہوتے ہیں؟

حنالیہ کمال کو دوبارہ خود کو پُراعتماد کرنا مقصود تھا' تبھی وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''اس روز بھی ملی تھی' تو بہت کھری کھری سنا رہی تھی۔ میرے میوزک ریسرچ کرنے پر' اور وائلن سیکھنے پر منفی تنقید کرتے ہوئے مجھے مکمل طور پر جھٹلا رہی تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے خود کو حتیٰ الامکان حد تک معمول کے مطابق ظاہر کرنا چاہ رہی تھی' اور بے بے اسے چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔ تبھی وہ اٹھی تھی' اور بے بے کے سامنے جا بیٹھی تھی۔ کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے بیٹھی رہی تھی' پھر بہت آہستگی سے بے بے کی گود میں سر دھر دیا تھا۔

بے بے نے اسے اسی طور خاموشی سے تکا تھا' پھر بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ دھر دیا تھا' اور حنالیہ کمال کے اندر کا غبار مزید بڑھنے لگا تھا۔

''بے بے چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔'' وہ اپنے اندر کی تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''کہاں......؟'' بے بے نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ تبھی اس نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''لونگ ڈرائیو پر۔''

''نہ بابا نہ' مجھے نہیں پسند یہ خرافات' مو ابندہ بیٹھے بیٹھے اکڑ جائے۔ نہ ڈھنگ کا سفر...... نہ کوئی نشانِ منزل...... یہ شوق بے وقوفی کے زمرے میں آتے ہیں سراسر۔'' بے بے نے فوراً مسترد کیا تھا۔ وہ زبردستی لب پھیلائے مسکراتی ہوئی ان کی جانب تکتی رہی تھی۔

''تو پھر گھر میں ہی ڈانس پارٹی ہو جائے۔'' اس کا انداز شرارت سے بھرپور تھا' وہ یقیناً اپنے موڈ کو بحال کرنا چاہ رہی تھی۔ اپنا دھیان بٹانا چاہ رہی تھی۔ بے بے مسکرا دی تھیں' تبھی وہ بولی تھی۔

''ویک اینڈ کو بوریت سے بچانا ہے تو ایسا تو کرنا ہی پڑے گا۔''

''تو اس عمر میں اپاہج کرے گی مجھے...... میری تو ہڈیاں بھی نہیں جڑیں گی۔'' بے بے

نے کہا' تو وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''چل' کہیں باہر کھانا کھاتے ہیں۔ واپسی پر وہیں سے کہیں نکل جائیں گے۔''
بے بے نے بروقت کہا تھا' اور وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اوکے' میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' وہ پلٹی تھی' اور اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی تھی' مگر ایک تھکن اس کے وجود کا حصار کرتی چلی گئی تھی۔۔

یہ سب کچھ آسان تو نہ تھا۔

آپ ٹوٹتے رہیں' اور چاہیں کہ اس انتشار کی خبر بھی کسی کو نہ ہو۔

ہارتے رہیں اور چاہیں کہ کوئی اس شکست کو دیکھے بھی نہیں' جانے بھی نہیں۔ ایسا ممکن کہاں ہے؟ مگر وہ ممکن کرنا چاہ رہی تھی۔ دل نیم جاں ہو رہا تھا۔

مگر آزمائش ابھی مزید درپیش تھی۔

✦ ◈ ✖

وہ دن بھر کی تھکی ماندی لوٹی تھی' جب اچانک ہی حدید آ گیا تھا۔ بے بے نے اسے بشیر کے ساتھ اس کے کمرے میں بھجوا دیا تھا' اور وہ جو اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی' ناچار اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''خیریت......؟ یہ اچانک کیسے......؟'' اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے حدید کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی عادت سے واقف تھا' تبھی قطعاً بُرا مانے بغیر مسکرا دیا تھا۔

''آج آفس آمد نہیں ہوئی' پرسنل سیل پر کال کیا تو سیل آف ملا۔ میں نے سوچا' نصیب دشمناں کی کچھ خبر تو ہو...... خیریت درپیش ہے یا کہ نہیں۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

نتالیہ کمال نے اسے ایک نظر دیکھا تھا' پھر بکھرے ہوئے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی ہوئی جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی تھی۔

''ہاں' بس آج مصروفیت بہت رہی' پھر آج دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔''

''دل تو تمہارا کبھی بھی نہیں چاہتا ہے' وہ تو تم بے بے کے کہنے پر آ جاتی ہو۔''

وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ نتالیہ کمال اس کے جج پر چونکی نہیں تھی' نہ ہی حیران ہوئی تھی' بلکہ بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''ہاں ورنہ تمہیں برداشت کرنا ایک مشکل فعل ہے۔''

''اور تم سے یہ فعل روز سرزد ہوتا ہے۔'' حدید کا قہقہہ بے ساختہ تھا' وہ بھی مسکرا دی تھی۔

''سرزد ہوتا نہیں ہے' میں بذاتِ خود سرانجام دیتی ہوں۔''

''اور اگر بے بے کی مرضی کے عین مطابق تمام عمر جھیلنا پڑ گیا تو؟'' وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے اس کی جانب بغور تکنے لگا تھا۔ نتالیہ کمال نے اسے بھرپور خفگی سے دیکھا تھا۔ تبھی وہ ہنس دیا تھا۔

''یقین جانو' اس سارے معاملے میں' میں تم سے زیادہ مظلوم ہوں۔ اگر مجھے بذاتِ خود فیصلے کا اختیار ملے تو یقین جانو' میں خود تم جیسی کٹ کھنی بلی سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لوں' خوامخواہ کی سزائیں بھگتنے کا شوق مجھے بھی نہیں ہے۔'' وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔

''تم میرے لئے کس قدر بے ضرر ہو...... تبھی تو بے بے کے کہنے پر آفس آنے کی ہامی بھر لی تھی۔''

''تمہیں مزید ایسا کرتے رہنا چاہئے۔'' اس کا انداز ذومعنی تھا۔ آنکھوں سے صاف شرارت ہویدا تھی۔ نتالیہ کمال نے اسے کشن کھینچ مارا تھا۔ وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ تبھی بشیر چائے لے کر آ گیا تھا۔ وہ ٹرے وہیں اپنے سامنے رکھ کر اس کیلئے چائے بنانے لگی تھی۔ وہ سائیڈ پر دھری اس کی وائلن کو اٹھا کر بغور تکنے لگا تھا۔

''شکر کتنی لو گے تم؟''

''تم نہ بھی ملاؤ تو شیرینی تب بھی سوا ہو گی۔'' وہ قطعاً سنجیدہ نہ تھا۔ وہ چونکہ عادی تھی' تبھی مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ بجانا بھی آتا ہے یا فقط وقت ضائع کر رہی ہو؟'' وہ وائلن کو بغور تکتے ہوئے بولا تھا۔

''جانتے ہو' کوئی بھی ساز سیکھنا قطعاً مشکل نہیں' کیونکہ یہ سارے ساز ہمارے اندر ہوتے ہیں۔ اس وائلن کو دیکھو' اس کے تار دل کے تار سے کس قدر مشابہ ہیں۔ جس طرح دل کے تاروں پر سُر ابھرتے ہیں' رنگ بنتے ہیں' موڈ بنتے ہیں' اسی طرح وائلن سے' اس کے تمام تار بھی ٹھیک اسی طرح عمل کرتے ہیں۔ بالکل دل والی بات ہے اس کی۔'' اس کا انداز

مدھم اور کھویا کھویا سا تھا۔

"مگر اس کے تمام تار تو ٹوٹے ہوئے ہیں۔" تبھی یکدم حدید نے اسے باور کرایا تھا' اور وہ بہت چونکتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگی تھی' پھر کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔

"دل کے تار بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔" انداز کسی قدر سرگوشی جیسا تھا۔ حدید اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"میں تو تم سے کوئی دھن سننے آیا تھا' سوچا تھا میوزیشن صاحبہ کے جوہر دیکھنے کا موقع ملے گا' اور ہم بھی کوئی کلاسک دھن سننے سے فیض یاب ہو سکیں گے' مگر تم تو......" اس نے جانے کیا سوچ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

ثنالیہ کمال نے تب اس کی جانب قطعاً نہیں دیکھا تھا' پھر قدرے توقف سے سر اٹھاتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"چلو پھر کبھی سہی' ابھی تو یوں بھی میرا موڈ نہیں تھا۔ بہت تھک گئی ہوں۔" حدید وائلن ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

"چائے لو نا۔" اس نے کپ کی جانب اشارہ کیا تھا' پھر شاید گفتگو جاری رکھنے کو بولی تھی۔

"تم بے بے سے ملے ہو یا سیدھے یہیں آئے ہو؟"

"ان سے مل کر ہی اس طرف آیا ہوں۔ ویسے ایک بات برملا کہوں گا' تم سے زیادہ اچھی بے بے کی کمپنی ہے۔ بندہ قطعاً بور نہیں ہوتا ہے۔"

وہ ہنس دی تھی۔

"یقیناً وہ میری بے بے ہیں۔ جب ہی تو اتنی اچھی ہیں۔"

"تم تو ان پر قطعاً نہیں پڑی ہو۔"

"ہاں میں زیادہ تر ممی جیسی ہوں۔ بے بے بتاتی ہیں' وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ جب وہ میری عمر کی تھیں تو ایسی ہی لاپروا اور لاابالی تھیں۔ انہیں بھی گھومنے کا کریز تھا' اور نت نئے شوق پالنے کا جنون تھا۔ ہم نے تو جب ہوش سنبھالا اور انہیں دیکھا' تو وہ خاصی مختلف لگیں۔ طبیعت اور مزاج میں خاصا ٹھہراؤ آ چکا تھا۔" وہ ایک پل میں اس وقت کی گرفت میں تھی۔

"بڑی ہو کر تم بھی ان جیسی ہو جاؤ گی۔" وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"میں اب بھی انہی جیسی ہوں۔" اس نے سر اٹھا کر باور کرایا تھا۔

"شاید تمہیں یاد نہ ہو' اگلے ہفتے میری برتھ ڈے ہے۔"

"اوہ آئی سی' پھر تو تم میرا خاصا خرچ کراؤ گے۔ سنو' انکل سے کہہ کر سیلری ایڈوانس میں دلوا دینا۔" وہ مکمل طور پر غیر سنجیدہ تھی۔

"سب فرینڈز کے ساتھ مل کر فارم ہاؤس پر جانے کا پروگرام بنا ہے' تم بھی چلنا۔"

"اتنی دور؟ بے بے تو اجازت نہیں دیں گی۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"میں نے بات کر لی ہے۔ انہوں نے اجازت دے دی ہے۔" حدید نے پل بھر میں اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ تبھی وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"سوچ لو' شاید کوئی بہانہ ڈھونڈنے سے مل ہی جائے۔"

"ایکسکیوزمی' میں بہانے باز نہیں ہوں۔" وہ احتجاج کرتی ہوئی بولی تھی۔

"پھر لینے آ جاؤں۔"

"ابھی تو پورا ہفتہ باقی پڑا ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔ تبھی حدید اسے بغور تکنے لگا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں؟" بہت آہستگی سے وہ گویا ہوا تھا۔ ثنالیہ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

"تمہیں مرض کیا لاحق ہے؟" اس شخص کے کریدنے کا انداز ذرا مختلف تھا' اور وہ کسی پر بھی کھلنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی بہت نارمل انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے ہولے سے مسکرائی تھی۔

"تم کب جاؤ گے؟"

"کیوں......؟" وہ چونکا تھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"ثنالیہ کمال...... تم جیسی بداخلاق لڑکی اس روئے زمین پر نہیں۔" حدید فیض الحق نے حتمی طور پر کہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

✦◈✦

وہ خواب تھا یا حقیقت مجھے نہیں معلوم
ہوئی تھی کیسے محبت مجھے نہیں معلوم

کتنی کوششیں کرتی تھی وہ خود کو مخفی رکھنے کی' مسلسل اپنے اندر کے شور سے بھاگتے رہنے کی' مگر پھر بھی جانے کیسے بہت سے "گرفت" میں لینے والے لمحے اسے اپنے حصار میں لے ہی لیتے تھے۔ وہ سارے دروازے بند کر کے سوتی تھی' مگر پھر جانے کیسے اور کن دروازوں سے اس کا خیال اندر در آتا تھا' اور وہ اس گھڑی جیسے بے بس ہو جاتی تھی۔

"کتنا جھٹکنا چاہا تھا اس نے' مگر ایک لمحے میں وہ چہرہ اس کے تصور میں ابھرتا چلا گیا تھا۔ وہ ساحر آنکھیں...... وہ گرفت میں لیتی آنکھیں' ایک پل میں دل کو اپنی گرفت میں لیتی چلی گئی تھیں' اور وہ ایک پل میں بے بس تھی۔

سرخ آنکھوں میں یکدم ہی کوئی یاد بھر آئی تھی' اور ان آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی تھی۔

وہ جیسے ہر شے سے بچنے کے لئے آنکھیں میچ گئی تھی۔

وہ مکمل طور پر اپنے اندر کی یورشوں کی زد میں تھی اور جانے کب تک اسی کیفیت میں مبتلا رہتی کہ بے بے نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

"ثنالیہ! دیکھو کون آیا ہے؟" ان کی آواز پر اس نے ایک پل میں آنکھیں کھولیں۔

بے بے کی پشت سے فارینہ اکبر اسے تک رہی تھی۔ وہ فوراً سیدھی ہوتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی' اور تمام کیفیات کو پل بھر میں جھٹکتے ہوئے دوسرے ہی پل مسکرائی تھی۔ یہ دھیمی سی مسکراہٹ...... یہ لبوں پر کھیلتا تبسم "مروّت" کے سوا اور کچھ نہ تھا' مگر بے بے یہ بات قطعاً نہیں جانتی تھیں۔ تبھی فارینہ اکبر کو پکڑ کر اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"فارینہ آئی ہے۔ چلو اٹھو فوراً فریش ہو کر باہر آؤ۔ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی...... ایگزیم ہیں تو اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ سر جھاڑ منہ پہاڑ پڑی رہو۔ فارینہ تم ہی سمجھاؤ اسے کچھ...... آج کل تو یہ لڑکی بالکل بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ عادتیں تو اس کی ساری ہی ایسی ہی ہیں شروع سے' مگر آج کل تو بالکل ہی پٹڑی سے اتر گئی ہے۔" بے بے نے شکایات کی پٹاری کھولتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اور وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"بے بے آپ تو بس' کبھی ماں کی نظر سے ہٹ کر بھی دیکھ لیا کریں۔ ٹھیک تو ہوں

میں۔" اس نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی تھی۔

"یہ تو فارینہ تم سے دریافت کرے گی۔" بے بے مسکرائی تھیں۔ فارینہ اندر بڑھ آئی تھی۔ ثنالیہ نے ایک نگاہ سرسری انداز میں اس پر ڈالی تھی' پھر بے بے سے گویا ہوئی تھی۔

"بے بے! پلیز بشیر سے کہہ کر چائے بھجوا دیجئے گا۔"

"اچھا۔" بے بے کہہ کر واپس پلٹ گئی تھیں۔ تبھی ثنالیہ جو ایک لمحے قبل ایک "مروت" کے تحت مسلسل ایک مسکراہٹ سجائے ہوئے تھی۔ اس پل یکدم ہی اپنے لب بھینچ گئی تھی۔

"فارینہ اکبر نے اس کے پل میں رنگ بدلتے رویے کو دیکھا تھا' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"کیسی ہو تم......؟" اس کے لب دھیمے تبسم سے سجے تھے۔

ثنالیہ کمال نے بہت آہستگی سے سر ہلاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا اور پھر دونوں کے درمیان ایک طویل خاموشی چھا گئی تھی۔

فارینہ اکبر کچھ دیر تک یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی' پھر سر اٹھا کر بہت آہستگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہاری یہ چپ میرے لئے بہت بڑی سزا ہے' تم کیوں مار رہی ہو مجھے اپنی اس سرد مہری سے۔ اگر اجنبیت برتنا ہے تو پوری طرح اجنبی ہو جاؤ' یوں سرد مہر انداز میں مجھے قتل مت کرو۔" اس کا لہجہ مکمل طور پر اس کے اندر کا ترجمان تھا۔ آنکھوں میں ایک سمندر ٹھہرا ہوا تھا۔

"بلیومی' میں مجرم نہیں ہوں۔ میں نے دانستہ کوئی نقصان نہیں کیا ہے تمہارا۔ یقین کرو' میں خیر خواہ تھی تمہاری' پھر تمہارے نقصان کے متعلق کیسے سوچ سکتی ہوں۔ مجھے تم عزیز تر تھیں۔ میں کیسے تمہاری ان آنکھوں میں یہ تیرتا ہوا درد دیکھ سکتی تھی۔ ہم تو ہنستے بھی اکٹھے تھے' اور روتے بھی اکٹھے تھے۔ کتنے سکھ دکھ ہم نے ساتھ ساتھ بانٹے تھے۔ کتنے موسم ہم نے ایک ساتھ مل کر دیکھے تھے' پھر تمہیں کیسے لگا کہ میں تمہارا کوئی نقصان بھی کر سکتی ہوں۔ تم سے کچھ چھین بھی سکتی ہوں۔ ہم تو اچھے دوست تھے۔ "شیئرز اور کیئرز" کے سدا قائل رہے تھے' پھر تم نے کیسے سمجھا کہ میں تم سے تمہاری متاع حیات چھین سکتی ہوں' جو بھی ہوا ہے' محض غلط فہمی ہے۔ مس انڈرسٹینڈنگ ہے' بلیومی۔" فارینہ اکبر بہت مدھم سے لہجے میں کہتی ہوئی اس کی

طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا نازک سا ہاتھ نتالیہ کمال کے ہاتھ پر تھا۔ مگر نتالیہ کمال کے لبوں پر ساکت جامد چپ تھی۔

فارینہ اکبر اسے دیکھتی رہی تھی' پھر بہت زچ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"نتالیہ کمال' پلیز مت چپ رہو' کچھ تو بولو۔ مجھ پر چیخو چلاؤ' مجھے کوسو' مگر اپنا اندر خالی کر دو...... نکال دو سارا غبار باہر...... یہ کثافتیں تمہارے اندر رہ کر تمہیں بہت بوجھل کر رہی ہیں' پلیز' کوئی الزام ہی دو' دھوکہ دہی' فریب کا' مکاری کا' کوئی جرم ہی تھوپ دو میرے سر' مگر پلیز اپنے اردگرد بنایا ہوا یہ خول توڑ دو۔ تمہیں اس کیفیت میں نہیں دیکھ سکتی ہوں میں۔ مجھے تمہاری سرخ بوجھل آنکھیں سونے نہیں دیتی ہیں۔ میں کچھ بھی کروں مگر میرا دھیان تمہارے خیال سے بندھا رہتا ہے۔"

اس کی سیاہ آنکھیں بہت سے پانی سے بھر کر چھلک پڑی تھیں' مگر نتالیہ کمال تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

فارینہ کچھ دیر تک یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی' پھر ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی اٹھی تھی' اور اسی طرح چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ نتالیہ کمال تب بھی یونہی ساکت بیٹھی رہی تھی۔

◆◇✖

اک کسک سی ہے میرے دل میں کہ معلوم تو ہو
چھوڑ کر مجھ کو وہ کس حال میں رہتا ہو گا!

اور اس روز اگرچہ ویک اینڈ تھا' مگر منڈے کو اس کا پیپر تھا۔ اس لئے وہ جانا نہیں چاہتی تھی' مگر جب حدید فیض الحق اسے لینے آ پہنچا تو وہ انکار قطعاً نہیں کر سکی۔ بے بے بھی پیش پیش رہیں اور اسے جاتے ہی بنی۔

"کتنے فضول شخص ہو تم' میرا رزلٹ خراب رہا تو سارے کے سارے ذمے دار تم ہو گے۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"ازالے کے طور پر جاب قبل از وقت دے چکا ہوں۔ ایم بی اے کمپلیٹ کرنے کے بعد بھی تمہیں ایک عدد جاب ہی کرنا ہے۔ وہ تم آل ریڈی کر رہی ہو۔" وہ مکمل طور پر مطمئن تھا۔ "اپنا وائلن لیا کہ نہیں۔ مجھے تم سے بہت کچھ سننا ہے۔ سب سے فخریہ تعارف کرواؤں

گا۔ آخر کو مستقبل کی گریٹ میوزیشن ہو۔ میرے کیرٹیریا میں تو کوئی طلبہ تک نہیں بجا سکتا۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

نتالیہ مسکرا دی تھی۔ سفر خاصا طویل تھا۔ وہ جب پہنچے تو شام گہری ہو چکی تھی۔ وہ اپنے ہی دھیان میں اتر کر گاڑی کا دروازہ بند کر رہی تھی' جب ایک جانی پہچانی آواز پر سماعتیں ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں متوجہ ہوئی تھیں۔ حدید فیض الحق تو جانے کب کا چلتا ہوا اس سے دور جا نکلا تھا۔

"کمال شخص ہو یار! خود آنے میں اتنی دیر کر دی۔ ہمیں تو تم نے سر شام ہی بلوا لیا تھا۔ اس ویرانے میں بیٹھے بیٹھے اچھا خاصا جی اوب گیا۔ پہلے تو تم بڑے پنکچول ہوا کرتے تھے۔" کوئی مسلسل حدید فیض الحق سے شکوہ کناں تھا۔

اور وہ اس آواز پر مڑی تھی' تو اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ حدید مسکرا رہا تھا۔

"دیر میری وجہ سے نہیں ان میری عزیز ترین محترمہ کی وجہ سے واقع ہوئی۔ پرنوشی از دی گریٹ میوزیشن...... ایسے لوگ کچھ نخریلے تو واقع ہوتے ہی ہیں۔"

وہ شخص حدید فیض الحق کے متوجہ کرنے پر اس جانب متوجہ ہوا تھا' اور اپنی جگہ وہ بھی ساکت رہ گیا تھا۔ حدید نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کم آن یار! اب آ بھی جاؤ۔ کیا وہیں ٹھہرے رہنے کا پروگرام ہے۔ سامان کی فکر مت کرو۔ ملازم نکال لے گا۔ ہاں اپنے وائلن کو چاہو تو نکال لو۔"

نتالیہ کمال اسی طرح ساکت تھی۔ حدید فیض الحق کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی' مگر قدم جیسے زمین چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔

آہ!

اس گھڑی کے متعلق تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ تو اس شخص کی یاد بھلا دینا چاہتی تھی۔ اس سے ملنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی' مگر جیسے وہ اس گھڑی مکمل طور پر بے بس تھی۔

وہ پلٹنا چاہتی تھی' بھاگتے ہوئے اس سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ ان تمام لمحوں سے فرار چاہتی تھی' مگر جیسے سب کچھ ناممکن تھا۔

کتنی جلد وقت نے اسے اسی موڑ پر لا کھڑا کیا تھا' اس نے تو کبھی نہ ملنے کا قصد کیا تھا۔

اس شخص کو کبھی نہ دیکھنے کا سوچا تھا۔

کیسی بے بسی اس کے قدموں سے آن لپٹی تھی۔

"نتالیہ کمال!" حدید نے اسے پھر پکارا تھا' اور تب اس کے قدم میکانکی انداز میں اٹھنے لگے تھے۔ وہ چلتی ہوئی اس کے قریب جا رکی تھی۔

"شی از نتالیہ کمال' دی گریٹ میوزیشن اسٹڈی بابائے اکنامکس ایڈم اسمتھ کی پیروی میں کر رہی ہیں۔ یعنی ٹوٹلی اپوزٹ سائیڈ آف ایموشن اینڈ میوزک۔ محترمہ بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کر رہی ہیں' مگر بی سائیڈ اسٹڈی میوزک ان کی ہابی ہے۔ موصوفہ کا خیال ہے' میوزک کے تار...... خصوصاً وائلن کے تار دل کے تاروں کی مانند ہوتے ہیں اور اس کی ساری دُھنیں دل کی کیفیات کی مکمل عکاس ہوتی ہیں۔ آئی ایم رائٹ......؟" اس کا جامع تعارف کراتے ہوئے حدید مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا' مگر وہ سوائے اسے خاموشی سے دیکھنے کچھ نہیں بولی تھی۔

وہ شخص بھی اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ نتالیہ چہرے کا رخ پھیرے قطعاً اجنبی تھی۔

"یہ موصوف آہن التمش ہیں اور یار اپنی فیانسی کو نہیں لائے تم......؟" حدید نے اس کا مختصر تعارف کرانے کے بعد اس سے دریافت کیا تھا' تو وہ چونکا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"ہاں آئی ہیں وہ بھی...... اندر ہیں۔" آہن التمش گویا ہوا تھا' تبھی حدید نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"نتالیہ تم بھی اندر چلو۔ میں آتا ہوں ابھی...... اور سامان کی فکر مت کرنا' او کے......"

وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا' مگر وہ مسکرائی قطعاً نہیں تھی۔ اس لمحے جیسے یہ حکم اس کے لئے غنیمت تھا۔ وہ آہستگی سے قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ایک ایک قدم ایک ایک من کا تھا' مگر سفر شرط تھا۔

ابھی وہ ایک دریا سے پار اترنے کی تدبیر سوچ رہی تھی' اور ایک مزید دریا اس کے روبرو تھا۔

"اب! اس نے تو ہر بات سے فرار چاہا تھا' بھاگنا چاہا تھا' پھر کیسے یہ سارے راستے اس کے قدموں میں آن پڑے تھے۔ وہ تو ہر بات سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ ان سارے

منظروں سے نگاہ پھیر لینا چاہتی تھی۔

وہ وہیں دہلیز میں ساکت سی رک گئی تھی۔ جب فارینہ اکبر چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی۔

"نتالیہ تم؟" فارینہ اکبر قدرے حیران سی تھی' مگر وہ ساکت انداز میں اس کی طرف دیکھے گئی تھی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو تم؟ کل شام ہی بے بے سے میری بات ہوئی تھی' تم اس وقت سو رہی تھیں۔ بے بے نے تو مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا کہ تم یہاں آنے والی ہو۔" اس نے اپنے تمام حواس مجتمع کرتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ اسے یقیناً کمزور نہیں پڑنا تھا' کمزور نظر نہیں آنا تھا۔ وہ کمزور نہیں تھی۔ وہ کمزور نظر آ کر کسی دوسرے کو قطعاً کسی طرح کی تسکین فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لمحے تک منتشر کر دینے والے تھے' مگر اسے اپنے ضبط کو سمیٹنا تھا۔ خود کو ٹوٹنے سے بچانا تھا' اور خود کو مضبوط ثابت کرنا تھا۔ تبھی وہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"تم نے مجھ سے پوچھا ہوتا تو ضرور تم جان جاتیں۔ بہرحال خوشی ہوئی تمہیں یہاں دیکھ کر' کیا تم بھی حدید کی مہمان ہو......" وہ عجیب رسمی انداز میں گویا تھی۔

فارینہ اکبر اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئی تھی' پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"ہاں...... اور تم......"

"میں...... میں تو اس کی مہمان خاص ہوں۔" وہ ایک تفاخر سے مسکرائی تھی۔ "ویسے کیا عجیب حسن اتفاق ہے۔" وہ یقیناً خود کو محظوظ ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ "وقت بہت جلد چکر کاٹنے لگا ہے۔" نتالیہ کمال اس کی جانب بغور دیکھتی ہوئی مکمل پُراعتماد انداز میں گویا تھی اور فارینہ اکبر اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

نتالیہ کمال کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"بے بے بھی آئی ہیں؟" فارینہ شاید بول کر اس اجنبی تاثر کو کسی طرح مندمل کرنا چاہتی تھی۔ اس کا سوال شاید بہت عجیب تھا' تبھی نتالیہ کمال مسکرا دی تھی۔

"بے بے نے اپنی جگہ مجھے بھیج دیا ہے نا۔"

تبھی ملازم اس کے قریب آن رکا تھا۔

"بی بی صاحب! آیئے ہم آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دیں۔ حدید صاحب کہتے ہیں فریش ہو جایئے' تب تک اور مہمان بھی تشریف لے آئیں گے۔" ملازم مؤدب انداز میں گویا تھا۔
تبھی نتالیہ کمال سر ہلاتی ہوئی اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی' اور فارینہ اکبر اس کی پشت کو کتنی دیر کھڑی تکتی رہی تھی۔

✦◈✦

تو نے جو درد کے پودے لگائے تھے
آ کے دیکھ اس میں کتنے پھول آئے ہیں

ان باتوں کے باوجود دل کی کیفیت عجیب ترین تھی' اور وہ کیسے بند باندھتی اس طوفان پر تھا بھی تو سب ناممکن...... وقت اسے کیسی آزمائشوں میں مبتلا کر رہا تھا' اور دل!
کیا کرتی وہ اس کا دل جو اپنے غیر آباد ہونے پر سراسر پُر احتجاج تھا۔ جو "دھوکہ دہی" پر پُر ملال تھا' اور اپنے "مجروح" کئے جانے پر تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔
وہ اسی طرح ساکت سی آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے عکس کو ساکت نظروں سے تکے جا رہی تھی' جب حدید نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔
"عجیب لڑکی ہو تم...... ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہو' حالانکہ تمہاری تیاری ہمیشہ پانچ دس منٹ سے زیادہ کی نہیں ہوتی مگر......" اسے ساکت دیکھ کر وہ آگے بڑھ آیا تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا' پھر ہولے سے گویا ہوا تھا۔
"نتالیہ کمال! مسئلہ کیا ہے؟" اور وہ ایک نگاہ اسے دیکھتے ہوئے نگاہ پھیر کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔
"تم چلو میں آتی ہوں۔" تبھی وہ قدرے جھک کر اسے بغور تکنے لگا تھا۔
"آر یو آل رائٹ؟" اس کا انداز دوستانہ تھا۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ نتالیہ کمال اسے ہاتھ سے دھکیلتی ہوئی مسکرا دی تھی۔
"جاؤ تم...... آ رہی ہوں میں۔"
وہ پلٹا تھا' مگر دروازے پر جا کر رک کر مڑا تھا۔
"وہ اپنا وائلن لائی ہو نا۔"
"ہاں۔" وہ مسکرائی تھی۔ "مگر میں سب کے سامنے قطعاً نہیں پلے کروں گی۔"

"کیوں؟ کیا تم اتنا برا بجاتی ہو؟" وہ یقیناً مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔
"ہاں یہی سمجھ لو۔"
"مگر آج تو تمہیں جیسا بھی بجانا آتا ہے' بجانا پڑے گا۔ میری برتھ ڈے ہے' کیا کوئی دھن بھی پیش نہیں کرو گی مجھے؟"
"ٹھیک ہے پھر دوسرا گفٹ' جو میں تمہیں دینے والی تھی' اسے اٹھا کر رکھ دیتی ہوں۔"
"کنجوس کہیں کی۔" وہ بولا تھا' اور وہ ہنس دی تھی۔ حدید پلٹ گیا تھا' مگر وہ پھر ایک بار ساکت سی اپنی شبیہ کو آئینے میں تکنے لگی تھی۔
"کتنے رنگ بچھڑ گئے تھے اس سے۔"
وہ دانستہ نہیں آئی تھی' وہ یہاں آنا ہی نہیں چاہتی تھی' مگر قدرت کو جیسے اس کی آزمائش مقصود تھی۔
شہلون کے سفید آنچل کو شانوں پر پھیلا کر اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تھا' پھر پرفیوم کی بوتل اٹھا کر خود پر سپرے کرنے لگی تھی۔
اس نے ایک بار پھر اپنے حوصلوں کو مجتمع کیا تھا' اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ اس ہنگامہ خیز زندگی میں اس کا حصہ نہ ہونے کے برابر تھا۔
وہ وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی ماحول کا حصہ نہ تھی۔ اس کے اردگرد ہجوم تھا' مگر اس کی نظریں ایک نقطے پر ساکت ہو گئی تھیں۔ آہن آتش فارینہ اکبر کے ساتھ کھڑا جانے کس بات پر مسکرا رہا تھا۔
اس گھڑی ڈانسنگ فلور پر فارینہ اکبر اس کی قربت میں تھی۔ آہن آتش کتنے گلاب لمحوں کے زیر تھا۔ وہ شاید کتنی دیر ساکت سی اسی طور تکتی جاتی کہ حدید نے اس کی نظروں کے سامنے چٹکی بجا کر اسے متوجہ کیا تھا۔ وہ تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے پل میں مسکرائی تھی۔
"کیا بڈھی روح کی طرح ایک کونے میں گھسی بیٹھی ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔" حدید نے اس کا ہاتھ تھام کر کھینچا تھا۔ وہ کوئی مزاحمت تک نہ کر سکی تھی۔ حالانکہ وہ انکار کرنا چاہتی تھی' مگر حدید اسے کھینچتا ہوا ڈانسنگ فلور کی طرف لئے جا رہا تھا۔
"حدید! تم جانتے ہو' مجھے ایسے شوق نہیں ہیں حدید......" وہ یکدم توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی۔ لڑکھڑائی تھی...... تبھی حدید پلٹا تھا' اس نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے اپنا

سر اس کے سینے پر ٹکا دیا تھا' اور گہری گہری سانسیں خارج کرنے لگی تھی۔

آہن التمش کی نظریں اس گھڑی پل میں ساکت ہوئی تھیں۔ اس نے یہ اقدام دانستہ نہیں کیا تھا' مگر سر اٹھانے پر پہلی نگاہ اسی شخص سے ٹکرائی تھی۔ اس کی آنکھوں کے رنگ دیکھ کر جانے کیوں نتالیہ کو ڈھیروں تسکین ملی تھی۔ وہ حدید فیض الحق کے قریب تھی' اور ایسا دانستہ نہیں ہوا تھا' مگر اس گھڑی وہ دانستہ حدید فیض الحق کی جانب دیکھتے ہوئے دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ نہ تو اس نے اپنا نازک ہاتھ اس کے شانے سے ہٹایا تھا' نہ ہی اس سے دور ہٹی تھی۔

"عجیب لڑکی ہو...... تم نے تو مجھے دہلا کر رکھ دیا تھا۔" وہ مکمل خفگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔ ایک نگاہ اس دور کھڑے شخص پر ڈالی تھی' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"حالانکہ اتنی حسین لڑکی کی قربت میں تمہیں پھول کر کپا ہو جانا چاہئے تھا۔"

"یہ خوبصورت لڑکی میں نے پہلی بار نہیں دیکھی۔ گزشتہ بائیس برس سے دیکھ دیکھ کر بور ہو چکا ہوں۔" وہ بے تاثر انداز میں بولتے ہوئے مسکرایا تھا۔ "کہو اب توازن برقرار ہے تو چلیں فلور پر۔"

"تم جانتے ہو میں یہ سب بالکل نہیں کر سکتی۔"

"پھر جو کر سکتی ہو وہ کر دو۔" وہ مسکرایا تھا۔

"کیا......؟" وہ چونکی۔

"ایک میٹھی سی دھن سنا دو۔"

"او کے......!" وہ مسکراتی ہوئی سنبھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ "تمہیں بے بے کو انوائٹ کرنا چاہئے تھا۔ تمہاری ڈانسنگ فلور پر جانے کی خواہش پوری ہو جاتی۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے مسکرائی تھی۔ نگاہ پھر اس طرف اٹھی تھی۔ کوئی متوجہ تھا' متواتر دیکھ رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر تسکین اور کیا ہوتی' وہ جو چاہتی تھی' وہی ہو رہا تھا' اور وہ کمزور ہرگز نہیں لگ رہی تھی۔

ملازم حدید کے کہنے پر اس کا وائلن لے آیا تھا' اور حدید نے اسے تھما دیا تھا۔ پھر سب کو متوجہ کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹل مین...... میری ڈیئرسٹ کزن...... دی گریٹ میوزیشن ابھی آپ کے سامنے وائلن بجانے جا رہی ہیں' اور یہ دھن میرے لئے تحفہ خاص ہے۔ متوجہ ہو جائیں'

آپ لوگوں کے سامنے تشریف لا رہی ہیں نتالیہ کمال۔"

نتالیہ کمال وائلن تھامے اس تمام ہجوم کے درمیان بیٹھی اس گھڑی جیسے صحرا میں کوئی آہو تھی۔ کتنی اجنبی نظروں سے وہ اس ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن اس گھڑی جیسے "بلینک" تھا۔ تبھی اس کی نگاہ فارینہ کے پہلو میں بیٹھے اس شخص پر ٹھہر گئی تھی۔ آہن التمش اس گھڑی اسے بغور تک رہا تھا۔ دونوں کی نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی' تبھی وہ اجنبی ہو کر وائلن کو ایک اینگل پر فکس کرتے ہوئے آنکھیں میچ گئی تھی۔

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے
وہ بس رہا ہے" میرے وائلن کے تاروں میں"
وہ بس رہا ہے" میرے وائلن کے تاروں میں"

دل کیسے چیختا چلا گیا تھا۔

اندر کا سارا موسم خون رنگ ہو گیا تھا۔ سارے منظر سرخ رنگوں میں رنگ گئے تھے' مگر وہ بے خودی سی وائلن کے تاروں سے کھیلتی چلی گئی تھی۔

تار بجے تھے تو سارا ماحول جیسے سکوت سے بھر گیا تھا۔ فقط گونج باقی تھی' اس پری رخ کے وائلن سے بکھرتے سروں کی...... ان سازوں کی جو دل کے اندر سے پھوٹ رہے تھے۔

دھن دلکش ترین تھی' سوز اور ساز کا عجیب سنگم تھا' اور وہ بجاتی چلی جا رہی تھی۔ دل کی پکار بڑھتی چلی گئی تھی۔

وہ آنکھیں میچے بیٹھی' وائلن بجاتی لڑکی...... اس تمام ہجوم کی نگاہ کا مرکز تھی...... اس گھڑی ہر سننے والے پرزور تالیاں بجا کر اس خواب رنگ لڑکی کو داد دے رہے تھے' اور آہن التمش یک ٹک اس وجود کو تکے جا رہا تھا۔

کتنی بدل گئی تھی وہ...... کتنی اجنبی ہو گئی تھی۔

وقت نے کیسے لکیر کھینچ دی تھی ان کے درمیان۔

کتنی صدیوں کی دوری پر آن رکے تھے دونوں۔

دل کیسی بے قراریوں سے بھر گیا تھا۔ نگاہ کیسے بے خود ہو گئی تھی۔ اس وجود کو دیکھتے ہی کیسے دل بے قابو ہو گیا تھا۔ سب کچھ آج بھی جیسے اس نگاہ کے زیر اثر تھا۔ دل آج بھی اس کی گرفت میں تھا۔

وہ اپنا وائلن تھامے اندر کی جانب بڑھ رہی تھی' جب وہ بہت آہستگی سے وہاں سے ہٹا تھا۔ وہ راہداری سے گزر رہی تھی' جب وہ یکدم اس کے سامنے جا رکا تھا۔

نتالیہ کمال ساکت سی رہ گئی تھی۔

مگر آہن التمش اسے متواتر تکتا چلا گیا تھا۔ نتالیہ کمال چہرے کا رخ پھیر کر متواتر دوسری سمت دیکھ رہی تھی۔ چہرہ کسی بھی طرح کے تاثر سے عاری تھا۔ جیسے وہ اپنے تمام محسوسات پر مکمل طور پر کنٹرول رکھتی ہو۔

آہن التمش نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

''وہی آنکھیں' وہی عارض' وہی ہونٹ' مگر وقت...... یہ وقت بھی کتنا ظالم ہے' کتنی صدیوں کی دوری لا دھری ہے میرے تمہارے مابین۔'' کتنی مدھم سی سرگوشی تھی۔ اس نیم تاریک ماحول میں جیسے کوئی خواب کی باتیں کر رہا تھا۔

نتالیہ کمال کی دھڑکنوں میں پل بھر کو ارتعاش ہوا تھا۔ حالانکہ کتنے بندھ باندھے بیٹھی تھی وہ۔ سوچ رکھا تھا کہ نہیں ملنا...... نہیں تکنا...... نہیں دیکھنا...... مگر دل کیسے خودسر ہو کر سرپٹ دوڑتا چلا گیا تھا' اور وہ کوئی تعرض نہ کر سکی تھی۔

''اجنبی ہو تو نہیں' پھر اجنبی بن کر مل کیوں رہی ہو؟'' کیا ان آنکھوں سے اس آشنائی کی یہ پرچھائیں مٹا سکو گی...... کہہ سکو گی کہ دھڑکنوں میں کوئی ارتعاش نہیں...... نگاہ میں کوئی فسانہ نہیں۔''

دھیمے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے وہ نتالیہ کمال کی جان پوری طرح سے مشکل میں جتلا کر چکا تھا۔

''اوں ہوں۔ نہیں ہے' اعتبار مجھے ان آنکھوں پر...... فریب ہے سب...... جھوٹ' صاف جھوٹ...... تمہاری سکھائی ہوئی زبان بولنے لگی ہیں یہ آنکھیں...... مگر یہ نگاہ اب بھی وہ ''مضمون خاص'' پڑھ سکتی ہے' کہو کہ اب بھی دل مشکل میں ہے۔ کہو کہ بھلا کر جینا دشوار رہا ہے' کہو کہ دھڑکنیں ہمیشہ بار رہی ہیں' کہو...... کہو کہ ہم اجنبی نہیں ہیں۔'' دھیما لہجہ کس قدر پُراثر تھا۔ نتالیہ کمال کے پورے وجود میں جیسے ایک لمحے میں قیامت برپا ہو چکی تھی۔ وہ شخص آج بھی اسی قدر دیوانہ تھا۔ اس کا لہجہ آج بھی اسی قدر ساحر تھا۔ آج بھی اتنا ہی جادو تھا اس کی باتوں میں' مگر نتالیہ کمال اس کی طرف پھر بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

کہو' کہو کہ ہم اجنبی نہیں ہیں' کہو کہ دل آج بھی ایک ہی آہنگ میں دھڑک رہے ہیں' کہو کہ محبت آج بھی موجود ہے' کہو کہ محبت ہے۔'' کتنے دھیمے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بہت ہولے سے اس کے چہرے کو اپنی سمت موڑا تھا' اور تب نتالیہ کمال خود کو اس کی جانب دیکھنے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔

نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی' کتنے قریب تھا وہ' مگر جیسے پھر بھی سراب تھا...... فریب تھا۔

وہ آواز' وہ تاثر' وہ انداز جھٹلائے جانے کے قابل نہ تھا' مگر نتالیہ کمال کے اندر قیامتوں نے ہلچل سی مچا دی تھی۔ آنکھوں میں باوجود کوشش کے' کتنے سمندر آن ٹھہرے تھے' اور وہ ساکت سی اس کی طرف تکتی چلی گئی تھی۔

آہن التمش اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔

تبھی اس نے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک دیا تھا' اور اس سے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے سر نفی میں ہلاتی چلی گئی تھی۔

''فریب ہو تم...... فقط دھوکہ...... نفرت ہے مجھے تم سے...... شدید ترین نفرت۔''

آہن التمش نے اسے دیکھا تھا' اور اس کی تمام تر شدتیں اس کی بھوری آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں۔

''ایسا تم سمجھتی ہو...... ایسا تم نے فرض کر رکھا ہے' کچھ بھی دھوکہ نہیں ہے' نہ ہی کوئی فریب ہے' اگر فریب ہوتا تو تم مجھ سے یوں دانستہ نگاہ نہ چرا رہی ہوتیں۔ تمہاری آنکھوں میں یہ سمندر نہ آ ٹھہرے ہوتے' اور تم مجھ سے یوں دور نہ بھاگ رہی ہوتیں۔ سچ ہے سب...... سب کچھ سچ ہے...... تبھی تو تم فرار چاہتی ہو...... مجھ سے دور ہٹنا چاہتی ہو۔ اس تعلق کو تائید تازہ کی ضرورت نہیں۔ وہ اقرار میں تمہاری آنکھوں میں آج بھی دیکھ سکتا ہوں۔ اب بھی پڑھ سکتا ہوں۔ دوری کہتی ہے کہ قربتوں کی وہ کہانی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ تمہارے قدموں کی لغزش...... یہ تمہارے وجود کا ارتعاش' یہ پلکوں کی لرزش بے معنی نہیں ہے۔''

آہن التمش کا مدھم لہجہ بہت کچھ باور کراتا رہا تھا' اور نتالیہ کمال بھیگی آنکھوں سر نفی میں ہلاتی چلی گئی تھی۔ ساتھ ہی الٹے قدموں چلتی ہوئی مزید دور ہٹتی چلی گئی تھی' پھر یکدم پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

آہن التمش کتنی دیر کھڑا اس تاریک ماحول میں اس جانب تکتا چلا گیا تھا۔

✦ ◈ ✖

تری آنکھوں کے سرد خانے میں!
منجمد ہو گئے ہیں خواب مرے!

اور کتنا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس ماحول سے دور نکل جائے۔ دوبارہ وہ عکس نہ دیکھے' وہ نقش نہ دیکھے' مگر سب جیسے ناممکن تھا' شب تھی کہ کاٹے نہ کٹ رہی تھی' اور بے خوابی آنکھوں میں آن کٹی تھی۔ وہ ایک پل بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی' وہ کیا کہتی حدید سے' کیا جواز دیتی' واپسی کا کیا بہانہ کرتی؟ کچھ بھی تو سمجھ میں نہ آ رہا تھا' اور رات تھی کہ بیتی چلی جا رہی تھی۔

اندر کی اضطرابی بڑھ گئی' اور کمرے میں اس کا دم گھٹنے لگا' تو وہ کمرے کا دروازہ کھول کر بالکنی میں آ گئی۔ ریلنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آسمان کی سمت نگاہ کی۔ کتنی دیر تک کھڑی وہ یونہی آسمان کو تکتی رہی۔ تبھی یکدم اسے کسی احساس نے اس کی حسیات کو اپنی جانب مائل کیا۔ اس کا دھیان ایک لمحے میں ایک خیال سے بندھ گیا' اور وہ بلا ارادہ ہی نگاہ اٹھا کر نیچے لان میں دیکھنے لگی۔ مولسری کے پیڑ سے لگا نہ جانے وہ کب سے اسے بے خود سا تکے جا رہا تھا۔

رات کے اس پہر' تاریکی جب سارے ماحول کو اپنے اسم میں باندھ چکی تھی' جب ایک بے کلی نے چار سو اپنے پنکھ پھیلا دیئے تھے۔ جب وہ اضطراب سے بے بس ہو کر آدھی رات کو اٹھ کر ایک بے خودی میں یہاں آن رکی تھی۔ تبھی کسی بے خودی نے کسی اور کی جان بھی مشکل میں ڈال دی تھی۔ اس اضطراب نے کسی اور کو بھی مضطرب کر دیا تھا۔

نتالیہ کمال اس کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔ وہ بھی اردگرد سے جیسے بیگانہ تھا۔ سرخ آنکھوں میں اتنی ان کہی' ان سنی کہانیاں تیر رہی تھیں۔

رات کے اس پہر کیسی دیوانگی غالب تھی اس پر کہ اردگرد کا کچھ ہوش نہ تھا اسے...... کسی کی مطلق پروا نہ تھی۔ خردمندی کا کہیں دور تک نام ونشان تک نہ تھا۔

کیا کوئی واقعی اس قدر پاگل تھا؟

آہن التمش چاپ چاپ نگاہ اٹھائے اس کی جانب تکتا چلا جا رہا تھا۔ اسے واقعی اس وقت دنیا کا کوئی ہوش تھا' نہ وقت کا کچھ دھیان۔

کتنی تپش تھی اس کی آنکھوں میں۔ نتالیہ کمال کو ایک پل میں اپنا سارا وجود سلگتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ یکدم پلٹی تھی' اور مڑ کر اندر کی جانب بڑھتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

آہن التمش کی نگاہیں تب بھی اسی بے قراری سے اس جانب اٹھ رہی تھیں۔ وہ بے خودی تب بھی غالب رہی تھی اس پر۔

✦ ◈ ✖

کیسی بے قراریوں نے لپیٹ میں لے لیا تھا اسے۔ کیسا بے خود سا ہو گیا تھا وہ شخص۔

وہ سامنے تھی' اور اجنبی تھی۔

شناسائی کی کوئی ہلکی سی بھی تو لکیر نہ تھی اس کی آنکھوں میں۔

وقت کیسی وسیع خلیج کھینچ گیا تھا فاصلوں کی۔ دلوں کے درمیان دیوار اٹھی تھی تو آنکھیں ایک دوجے سے اجنبیت برتنے لگی تھیں۔

کیا خطا تھی اس کی؟ کیا جرم تھا؟

وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی اس سرد مہری کو جھیل رہا تھا۔ اس اجنبیت کو برداشت کر رہا تھا۔ دل پر ایک بار سا تھا' جسم وجاں پر قیامتیں گزر رہی تھیں۔

وہ اس سے کہنا چاہتا تھا...... بہت کچھ...... مگر وہ اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ یہ بھی نہیں کہ وہ بے وفا نہیں' یہ بھی نہیں کہ وہ دغا باز اور دھوکے باز نہیں' یہ بھی نہیں کہ اس کی محبت میں کوئی کھوٹ نہیں۔

یہ بھی نہیں کہ وقت نے اس کے قدم باندھ دیئے' اور وہ بے بس ہو گیا۔

کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

نہ محبت کا کوئی میٹھا بول' نہ اپنے حق میں حرفِ سچائی۔

نہ کوئی حرفِ صفائی...... نہ کوئی وضاحت۔

حدید فیض الحق سے اس کی اچھی دوستی تھی۔ دونوں نے لندن سکول آف کامرس سے ایک ساتھ ایم بی اے کیا تھا' مگر وہ قطعاً نہیں جانتا تھا کہ حدید اس کا کزن بھی ہے۔

حدید نے جب اسے اپنے فارم ہاؤس پر انوائٹ کیا تھا' تب بھی اسے گمان نہ تھا کہ یہاں وہ بھی اسے مل سکتی ہے' جب وہ حدید کی آمد پر کھڑا اس سے بات کر رہا تھا' تب بھی وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے سنگ نتالیہ کمال بھی آئی ہے۔

کس قدر حیران سا رہ گیا تھا وہ' جب وہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی' اور حدید اس کا تعارف کرانے لگا تھا۔

کیسی مشکل میں تھی جان اس لمحے......

اس نے دانستہ راہ نہیں بدلی تھی...... دانستہ ہجر مول نہیں لیا تھا۔

اس نے بے وفائی بھی نہیں کرنا چاہی تھی۔

مگر وقت نے اسے اپنا پابند کرلیا تھا' اور وہ بے بس ہو گیا تھا۔

شب بے خوابی کی نذر ہو گئی تھی...... صبح واپس لوٹ جاتا تھا' مگر کیسی قیامتیں گزر رہی تھیں دل و جاں پر۔

اس کا قصور کچھ نہ تھا' مگر وہ کسی طرح بھی خود کو بے خطا ثابت نہیں کرسکتا تھا۔

فارینہ اکبر اس کے ہمراہ بیٹھی تھی' اور وہ چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کئے جا رہا تھا۔

فارینہ اکبر نے اسے ایک نظر خاموشی سے تکا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا' مگر وہ جانتی تھی' اس کے اندر ایک سمندر موجزن تھا۔ اس کے چہرے سے اس کے محسوسات ظاہر نہ سہی وہ اس کے اندر کے سارے بھید جان سکتی تھی' کیونکہ وہ واحد فریق تھی' جو ان دونوں کے قریب تھی' اور دونوں کی کیفیات سے درحقیقت واقف تھی۔ فارینہ اکبر نے اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکا تھا' پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

آہن التمش نے بہت ہولے سے اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی' اور ایک دھیما سا تبسم ایک لمحے میں اس کے لبوں کو اپنے حصار میں لے چکا تھا۔ وہ وضع دار شخص تھا۔ اسے مروت بر۔۔ بھی آتی تھی۔ اپنے قول' کا پاس کرنا بھی آتا تھا۔ تعلق باندھ کر نباہنے کا گر بھی وہ جانتا تھا۔ زبردستی کا ہی سہی مگر تعلق تو تھا مابین......

فارینہ اکبر نے اسے دیکھا تھا' پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"مت کیا کرو خود پر یہ جبر' یہ دکھاوے کی مسکراہٹ' یہ لگاؤ' یہ لگاوٹ۔"

آہن التمش نے اسے ایک نظر دیکھا تھا' پھر اپنے لب بھینچ لئے تھے۔ اور پھر کچھ بولے بغیر دوبارہ ونڈ سکرین کی جانب دیکھنے لگا تھا' تبھی فارینہ اکبر گویا ہوئی تھی۔

"میں جانتی ہوں' تمہارے لئے یہ بہت مشکل ہے۔ بے حد مشکل' مجھے تم سے ہمدردی ہے...... ایک اچھا مخلصانہ مشورہ دوں گی پلیز...... مجھے چھوڑ دو۔" ہر بندھن توڑ دو...... "جبر" کے زمرے میں آتا ہو' مجھ سے تمہاری یہ کیفیت...... یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ مت دیکھو دنیا داری کو' مت دیکھو مجھے اور خود کو' بہہ جاؤ اس ریلے میں۔ محبت بے اختیاری ہے' کیوں باندھ رہے ہو خود کو ان جبری تقاضوں میں' یہ زنجیریں تمہارے اندر کی رونقوں کو نگل رہی ہیں' اور مجھ سے تمہارا یہ روپ دیکھا نہیں جاتا۔" اس کا لہجہ دھیما تھا' مگر آہن التمش نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"مخلص ہوں تمہاری...... دوست ہوں' تم دونوں کی' کہو میں کیا کرسکتی ہوں تمہارے واسطے؟" وہ کہہ کر اس کی جانب تکنے لگی تھی۔

آہن التمش بے تاثر چہرے کے ساتھ ونڈ سکرین کو گھورتا رہا تھا' کچھ بھی تو ظاہر نہ تھا' اس کے انداز سے...... کیسا اختیار تھا اسے خود پر...... کتنی گرفت مضبوط تھی اس کی۔ اندر کے تمام موسم کیسے بھید بھرے تھے۔

کیسی گہری چپ تھی باہر...... کچھ بھی تو منکشف نہ تھا۔ وہ کچھ نہ بولا تھا اور فارینہ اکبر جیسے زچ ہو گئی تھی۔

"فار گاڈ سیک آہن التمش' تم تو مجھے اس چپ کی نذر مت کرو...... میں تو پہلے ہی ایک چپ کے ہاتھوں نیم جان ہوں۔ آخر میرا قصور کیا ہے؟ کہاں گناہ گار ہوں میں' میری خطا کیا ہے؟ آخر میں تم دونوں کے درمیان کیوں پس رہی ہوں؟ مجھے بتاؤ آہن التمش' میں کیا کروں؟ کیسے بچاؤں' اس دو طرفہ سرد مہری سے خود کو' کیا قصور ہے میرا' یہ کہ اس تعلق کے متعلق کوئی رائے زنی نہ کرسکی یا پھر یہ کہ میں بھی تم دونوں کی طرح بے خبر رہی۔ مجھے بتاؤ......

اگر گھر والوں نے میرا بندھن میری مرضی جانے بغیر تم سنگ جوڑ دیا' تو میں کیا کروں...... اگر میں اس تعلق کو توڑ نہیں سکتی تو کیا کروں؟ اگر میں تم سے ناواقف تھی' تو کیا خطا ہے میری۔ کیا یہ گناہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی اتنی کڑی سزا میں جھیلوں۔"

فارینہ اکبر کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئی تھیں' مگر آہن التمش تب بھی کچھ نہیں بولا تھا' اور فارینہ اسے دیکھتی ہوئی اپنا رخ کھڑکی کی سمت پھیر گئی تھی۔

✦ ◈ ✖

اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' خود کو بے بے کے ہاں ہی دیکھا تھا۔ ممی کی سرد آنکھوں کو خاموشی سے تکتے ہوئے اس میں کبھی یہ ہمت ہی نہ ہوئی تھی کہ ان سے اس بابت کچھ دریافت کرتی...... ہاں بے بے سے اس نے ایک بار یہ ضرور پوچھا تھا کہ وہ اپنے دیگر دوستوں کی طرح اپنے گھر میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتی...... تب انہوں نے

فقط ایک بات کہی تھی۔

"اس لئے کہ تمہارے ڈیڈی ایسا نہیں چاہتے۔"

اور تب وہ اس مبہم جملے سے کچھ بھی اخذ نہ کر سکی تھی۔ کوئی معنی اس پر نہ کھلے تھے' مگر پھر اس کے بعد اس نے اس بابت کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہاں جیسے جیسے ہوش سنبھالا تھا' تب جیسے خود بخود شعور کے در وا ہوتے چلے گئے تھے۔

ڈیڈی کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا...... ہاں ایک بار ان کی فقط تصویر دیکھی تھی' می کے کمرے میں' وہ بھی تب جب می کمرے میں نہیں تھی' اور وہ فیضی سے کھیلنے کے لئے ادھر آ گئی تھی۔ تب می کے تکیئے تلے اس نے ان کو پہلی بار دیکھا تھا' اور جب می نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا' تو وہ اپنی جگہ مجرم سی ہو گئی تھی۔

"سوری می......!" می اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتی رہی تھیں' پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔

"تمہارے ڈیڈی ہیں یہ...... کچھ چھپانا نہیں چاہتی میں تم سے...... نہ ہی دانستہ تم کو ان سے دور رکھنا چاہتی ہوں' مگر ایسا فقط وہ چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان سے دور رہیں۔ تم بہت چھوٹی ہو' کچھ بھی نہیں سمجھ سکتیں' کیا بتاؤں میں تمہیں؟" انہوں نے تاسف سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے ان کے سامنے بیٹھی رہی تھی' تبھی انہوں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"کیا کہوں تم سے...... کیا بتاؤں...... بس یہ جان لو جان' یہ شادی مکمل طور پر مس میچ تھی۔" وہ واقعی اس جملے کی حقیقت نہ جان سکی تھی' مگر اب سارے بھید منکشف تھے اس پر۔

وہ جان سکتی تھی کہ اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ رشتے بے حسی کی نیند بھی سو سکتے ہیں' اور محبت فنا بھی ہو سکتی ہے۔

وقت گزرتا چلا گیا تھا' اور وہ لگی بندھی روٹین پر جیتی رہی تھی۔ می نے اس سفر سے تھک کر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا' اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لی تھیں۔ تب اسے پہلی بار لگا تھا کہ وہ تنہا رہ گئی ہے' اور اب کہیں کوئی اپنا نہیں' کتنی دیر تک وہ بے بے کی گود میں سر دھرے چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھی۔ وہ جانتی تھی' می کینسر سے نہیں مری تھی' انہیں بے وفائی نے مار دیا تھا' کسی کی سرد مہری اور بے حسی نے مار دیا تھا' اور تب اسے پہلی بار لگا تھا کہ

محبت کہیں نہیں ہے۔

غرض ہے ہر طرف۔

پتہ نہیں وہ کب تک اپنی اس "دلیل" پر کار بند سرپٹ دوڑتی چلی جاتی کہ یکدم آہنی انتش اس کے سامنے آن رکا...... اور وہ جو سرپٹ دوڑتی چلی جا رہی تھی' یکدم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"بے حد حسین' دلربا' دلنشین' کہیں تم محبت تو نہیں۔"

کتنے مدھم انداز میں اس لمبے چوڑے شخص نے اسے بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا' اور وہ کتنے ثانیوں تک ساکت سی اسے تکتی رہی تھی۔

اس شخص کے لبوں پر دھیما سا تبسم ٹھہرا ہوا تھا۔ کیسی حدت سی پھوٹ رہی تھی اس کی آنکھوں سے...... ایک لمحے میں اسے لگا تھا' اگر وہ کچھ دیر بھی مزید رکی رہی تو جیسے جل جائے گی۔ اس نے مڑ کر راہ فرار ڈھونڈنا چاہی تھی' مگر جانے کیسے اس شخص نے ہمت کر کے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا' اور وہ اس کی گستاخی پر اسے تکنے لگی تھی۔ تبھی شاید اس شخص کو بھی احساس ہو گیا تھا۔ بہت آہستگی سے اس نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت ڈھیلی کی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" وہ جیسے اپنی بے خودی پر شرمندہ سا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی...... تبھی ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔

"پتہ نہیں مجھے کہنا چاہئے کہ نہیں' مگر میں واقعی بے خود ہو چکا ہوں تم شاید یقین نہ کرو...... مگر مجھے لگ رہا ہے' جیسے تم سے ملنے کے بعد کچھ کھو گیا ہے' شاید میرا چین...... شاید سکون...... شاید......"

وہ عجیب جنوں خیز انداز میں بے بسی سے رک کر اسے تکنے لگا تھا' اور تب وہ اپنی نگاہ اس پر سے ہٹاتی ہوئی یکدم ہی پلٹی تھی اور پھر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اسے اعتبار نہ تھا' اسے یقین نہ تھا' مگر جانے کیوں اس شخص کے ادھورے جملے شب بھر اس کی سماعتوں سے گونجتے رہے تھے' اور اس کی آواز کی بازگشت اسے اپنے پورے وجود کے علاقے میں سنائی دیتی رہی تھی۔ "کہیں تم محبت تو نہیں؟" کتنا مدھم لہجہ تھا' وہ پہلی شب بے خوابی کی نذر ہوئی تھی' پہلی بار ایک اضطرابی نے در دل پر دستک دی تھی' مگر اس نے جیسے ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینا چاہی تھیں' لیکن ایک مدھم لہجہ بازگشت بن کے اس کے اردگرد

گونجتا چلا گیا تھا۔

''کہیں تم محبت تو نہیں!!''

اور وہ اردگرد سے بے نیاز نفی میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ یہ تم نفی میں سر کیوں ہلائے جا رہی ہو؟''

فارینہ جانے کب آ کر اس کے سامنے آن بیٹھی تھی' اور وہ اس کی آواز پر یکدم چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟''

فارینہ نے اس کی صورت کو بغور تکتے ہوئے تشویش سے دوبارہ دریافت کیا تھا' اور تب وہ یکدم خجل سی ہو کر سر جھکا گئی تھی' پھر دوسرے ہی پل نفی میں ہولے سے گردن ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تم کب آئیں؟''

''تبھی جب تم عجیب خبطی انداز میں سر نفی میں ہلائے چلی جا رہی تھیں۔'' فارینہ نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا' مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مسکراتی ہوئی معنی خیز انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''بائے دی وے' مسئلہ کیا ہے؟ رخ مہرتاباں بہت الجھا الجھا اور کچھ سلگا سلگا سا ہے؟''

نتالیہ کمال نے اسے دیکھا تھا' اور اس گھڑی اس کی ایسی حالت تھی' جیسی کسی چور کی اور فارینہ اکبر اسے دیکھتے ہوئے یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

اسے بھی لگ ہی گئی شہر محبت کی ہوا امجد
سنا ہے بہت دنوں سے وہ بھی ہے پریشان بہت

اور وہ واقعی اس وقت کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ ساکت سی اس کی جانب تکتی چلی گئی تھی اور تبھی فارینہ اس کی سمت جھکتی ہوئی بہت شرارتی انداز میں تکتے ہوئے بولی تھی۔

''کون ہے وہ؟ کہاں ملاقات ہوئی؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

نتالیہ کمال پر ایک ساتھ بہت سے سوالوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی' اور وہ سوائے اسے خالی خالی آنکھوں سے تکنے کے اور کچھ نہ کر سکی تھی' اور فارینہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' پرسوں ترسوں تک ایسی کوئی صورت حال نہ تھی' کہیں یہ

حادثہ کل مرینہ کلب میں ہونے والے کنسرٹ میں تو پیش نہیں آیا' جہاں تم نے اپنے یونیورسٹی بیچ کے ساتھ شرکت کی تھی؟''

''نہیں......؟''

اس نے فوراً کہا تھا' پھر یکدم احساس ہونے پر چپ سادھ گئی تھی۔ ساتھ ہی سر بھی جھکا گئی تھی۔

''کوئی بکواس مزید نہیں سنوں گی' چپ رہو اب......''

بہت کمزور انداز میں خود کو ڈی فینڈ کیا تھا' مگر فارینہ ہنس دی تھی۔ یقیناً وہ اس کی کیفیت سے جی بھر کر محظوظ ہو رہی تھی۔

''یہ بات تم سر اٹھا کر بھی تو کہہ سکتی ہو۔''

نتالیہ نے خجالت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا' پھر کشن اٹھا کر اسے کھینچ مارا تھا' مگر فارینہ ہنستی چلی گئی تھی۔ پہلی بار وہ اسے نادانستہ ملی تھی' نادانستگی میں ٹکرائی تھی' مگر پھر وہ دانستہ اس کی راہ میں آنے لگا تھا' دانستہ مواقع ڈھونڈنے لگا تھا۔

اس روز بھی جب ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی' اور وہ کیمپس سے نکلتی ہوئی بے اختیار ہی اپنی فائل اپنے سر پر دھرے چلنے لگی تھی' تب اس شخص نے بہت آہستگی سے اپنی گاڑی اس کے قریب روک دی تھی اور وہ جو اپنی ہی دھن میں چلی جا رہی تھی' یکدم رک کر چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں شناسائی کی بہت گہری چھاپ تھی۔ اس کی جانب تکتے ہوئے اس نے بہت ہولے سے گاڑی کا دروازہ وا کر دیا تھا' اور وہ شاید اعتبار کا کوئی ایک لمحہ تھا' جو وحی کی صورت دل میں اترا تھا' تبھی وہ بھی بہت آہستگی سے اس کے برابر بیٹھ گئی تھی۔ بہت دیر تک ماحول پر سکوت چھایا رہا تھا' پھر آہن التمش بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''بارہا سوچا میں نے...... بارہا غور کیا...... تم میں ایسا کیا ہے...... تمہارے چہرے میں ایسی کیا بات خاص ہے...... جس نے مجھے بے بس کر دیا...... میں جو ایک دنیا گھوم چکا ہوں' دنیا دیکھ چکا ہوں آخر اس مقام پر کیوں ہارا...... چہرے تو بہت سے تھے اور......'' وہ کہتے کہتے یکدم رک گیا پھر اس کی طرف تکتے ہوئے مسکرا دیا۔

''میں کس قدر احمق ہوں' بات شاید چہروں کی نہیں ہوتی...... شاید ناموں کی بھی نہیں

ہوتی...... یہ بات کچھ اور ہے...... میں سمجھ نہیں پا رہا...... مگر کچھ ہے جو بہت دھیما اور حلاوت آمیز تھا' اور ثنالیہ کمال کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر اپنی شامت کو آواز دے چکی ہے۔

''شاید نہیں...... یقیناً یہ محبت ہی ہے۔'' تبھی وہ حتمی نتیجے پر پہنچا تھا۔

''میں تو تمہارے نام سے بھی واقف نہیں' میں نے سوچا تو ایسی کوئی قابل ذکر بات میرے ذہن میں نہیں آئی' بس...... بس مجھے شاید تمہاری یہ بے نیازی مار گئی' یہ لیا دیا انداز' یہ سرد مہری' یہ چپ۔'' اور شاید یہ برفیلی آنکھیں...... یہ سرد خانے جیسی...... بس وہ ایک لمحہ تھا اور میرے اندر ایک آتش بھڑک اٹھی تھی' اور تب سے اب تک اسی کیفیت میں ہوں' کہیں تم محبت تو نہیں......؟''

وہ مسکراتا ہوا ایک بار پھر اس کی طرف دیکھ رہا تھا' اور تب وہ دھیان اس کی طرف سے پھیر گئی تھی اور اس رم جھم برستی پھوار کو بغور تکنے لگی تھی۔

تب آہن التمش نے بہت ملائمت سے اس کی جانب نگاہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر بہت ہولے سے اپنا پرتپش ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ کوئی تعرض نہیں کر سکی تھی' ایک طمانیت کا احساس رگ و پے میں دوڑ گیا تھا اور اسے پہلی بار لگا تھا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

✦ ◈ ✖

محبت ایک بے اختیاری شے ہے' اور آہن التمش کو ایک بے اختیاری ہی ثنالیہ کمال کے قریب کھینچ کر لائی تھی۔ سچ ہے' وہ اس سے نادانستہ ٹکرایا تھا' کہیں کوئی پری پلان گیم نہیں تھا' کہیں اس نے منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ کہیں کوئی حکمت عملی پہلے سے طے شدہ نہیں تھی' کہیں اس کا مقصد اسے دھوکہ دینا نہ تھا' کہیں بھی اس کا مقصد اسے فریب سے دوچار کرنا نہ تھا' وہ اعتبار لے کر اس کی سمت بڑھا تھا۔ محبت اس کے قدموں میں دھری تھی۔ اپنی شدتیں اسے سونپی تھیں' اور محبت دے کر اسے محبت سے جیت لیا تھا۔

ٹھیک ہے...... اس سے ملنے کے بعد وہ اس کے متعلق جان گیا تھا کہ وہ کون ہے' مگر اس سے قبل اس پر ایسی کوئی حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس کے قریب کوئی غیر مرئی قوت ہی لے کر گئی تھی۔ وہ تو اس سے آشنا تک نہ تھا' پھر کیسے دھڑلے سے جا رکا تھا' اس کے سامنے۔

یہ محبت ہی تو تھی کہ وہ اسے پہلی نگاہ میں اپنی' بہت اپنی لگی تھی۔ لگتا تھا' جیسے صدیوں کی کوئی پہچان ہو' اور یہ شاید اس باعث بھی تھا کہ ان میں ایک ہی خاندان کا خون تھا۔ وہ اس کی چچا زاد تھی۔ چھوٹے چچا کمال التمش کی بیٹی' مگر تب وہ جانتا تک نہ تھا' مگر جانا تھا تو دانستہ اس کی سمت قدم بڑھائے تھے۔ وہ اس خاندان کے فریقین کے مابین اجنبیت کی وہ فضا ختم کرنا چاہتا تھا' تمام نفرتوں کی فضاؤں کو محبتوں سے دھونا چاہتا تھا۔ اس کا اقدام مثبت نوعیت کا تھا' مگر اس کے بدلے اسے بہت سے منفی روّیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ کمال چچا سے یقیناً بہت سی کوتاہیاں سرزد ہوئی تھیں' مگر وہ اپنی زندگی میں اب بنا کسی پچھتاوے کے قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ ان کی فیملی تھی' گھر تھا' بچے تھے' ہر طرح کا سکھ تھا' مگر ثنالیہ کمال کے ساتھ ہونے والی کسی ناانصافی کا ادراک اسے قطعاً نہ تھا۔

اس کا مقصد کمال چچا کے دل میں کسی احساس کو بیدار کرنا نہیں تھا' نہ ہی وہ انہیں شرمندہ کر کے کسی ''معافی'' کا حصول چاہتا تھا' مگر وہ چاہتا تھا' جو کچھ ثنالیہ کے ساتھ ہوا ہے' کم از کم اس کا کوئی تدارک ضرور ہو سکے۔ وہ ثنالیہ کی پلکوں پر چبھو [illegible]م سوئیاں نکال [illegible] چاہتا تھا۔ اس کے دل پر اپنے محبت کے پھاہے رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر عمر بھر کی رفاقت طے کرنا چاہتا تھا' مگر سب سے پہلی مخالفت اس کے اپنے گھر سے ہوئی تھی۔ اماں نے اسے مکمل اختیار دے رکھا تھا' ہر بات کے لئے حتیٰ کہ وہ اپنی مرضی کی لڑکی بھی چوز کر سکتا تھا' مگر جب اس نے انہیں ثنالیہ کے متعلق آگاہ کیا تو وہ جھٹے سے اکھڑ گئی تھیں۔

وہ ثنالیہ کمال سے کچھ بھی مخفی رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس تعلق کو بھی جو اس کے اور ثنالیہ کے مابین تھا' مگر وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ اماں کو ہر طور پر راضی کرنا چاہتا تھا' مگر اماں جو ہمیشہ محبت کرنے والی ماں ثابت ہوئی تھیں' اس لمحے سفاکی کی حد کر گئی تھیں۔

''اگر اس لڑکی سے شادی کرنی ہے تو پھر میرا مرا ہوا منہ دیکھنے کے لئے بھی تیار رہنا۔''

وہ اس گھڑی کیسا ساکت سا انہیں تکتا چلا گیا تھا۔

''میں نے تمہارے لئے لڑکی دیکھ لی ہے۔ تمہاری شادی وہیں ہوگی' جہاں میں چاہوں گی' میں نہیں چاہتی کوئی نااتفاقی ہمارے گھر میں پھر سے جنم لے اور گھر سے سکون اٹھ جائے۔''

وہ نہیں جانتا تھا' اس حکم کے پس پردہ مخالفتیں کیا تھیں' مگر وہ ان کے حکم نامے پر بہت

دیر تک انہیں ساکت سا تکتا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ گویا ہوئی تھیں۔

''تمہارے کمال چچا کی بھی محبت کی شادی تھی' مگر وہ عورت اس کے ساتھ نباہ نہ کرسکی۔ منحوس ثابت ہوئی' جس رات اس دہلیز پر قدم دھرا' اسی رات کمال سے چھوٹا وقار حادثے میں لقمۂ اجل بن گیا۔ شادی کے ایک ہفتے بعد تمہارے دادا ابا چل بسے۔ اماں کو تو پہلے ہی اس شادی سے اختلاف تھا۔ ان حادثات نے ثابت کر دیا کہ وہ عورت منحوس ہے۔ اماں نے کمال کو اسے فوراً چھوڑنے کا حکم دیا' مگر وہ انکاری رہا۔ اس کے بعد بھی پے در پے آفتیں اس خاندان پر نازل ہوتی رہیں' یہ توہم پرستی نہیں ہے' ہم نے آزمایا ہے...... اور آپ دیکھا...... اس عورت کے گھر میں قدم دھرتے ہی ساری خوشیاں رخصت ہوگئیں' اور سکون نے دم توڑ دیا۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کہانی پھر سے میرے گھر میں دہرائی جائے۔ میرا چھوٹا سا گھر ہے' میں اس میں سکون و چین دیکھنا چاہتی ہوں۔''

کیسی کیسی توہم پرستیاں تھیں' کیسے بے سبب خدشات تھے' اور سچائی کیا تھی؟

وہ کیسے سمجھاتا' انہیں کیسے بتاتا کہ یہ تمام باتیں رد کئے جانے کے لائق ہیں' کیونکہ ان کی سچائی کچھ نہیں' مگر وہ ان سے کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا' اور وقت نے اسے اپنا پابند کر لیا تھا۔ بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ایک طرف دل تھا' اور دوسری طرف قدموں کی جنت' اور اس نے جنت کو فوقیت دی تھی۔ ماں کو چن لیا تھا' اور دل کو صحراؤں کی خاک چھاننے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

فارینہ کے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے بھی وہ ہر تاثر سے خالی تھا۔ فارینہ دلکش ترین لگ رہی تھی' مگر وہ جیسے بے خبر بنا بیٹھا تھا۔ ایک نگاہِ غلط انداز نہ ڈالی تھی پر اس' جانے وہ کن جہانوں کا اسیر تھا۔ چونکا تب تھا جب نتالیہ کمال پر نظر پڑی تھی۔ وہ فارینہ کے پاس سے اٹھ کر دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا' جب وہ فارینہ کی سمت بڑھتی دکھائی دی تھی اور آہن التمش کی نگاہ جیسے اس وجود سے بندھ گئی تھی۔

''ہائے فارینہ...... سوری' آئی ایم لیٹ' گاڑی خراب ہوگئی تھی۔ خیر یہ بتاؤ' تمہارے ہونے والے دولہا میاں کہاں ہیں؟ اتنی جلدی اٹھ کر بھاگ گئے۔''

وہ مسکرا رہی تھی۔ تبھی فارینہ نے مسکراتے ہوئے آہن التمش کی طرف اشارہ کیا تھا' اور نتالیہ کمال اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی' پھر الٹے قدموں پلٹی تھی اور بھاگتی چلی گئی تھی۔

آہن التمش اپنے حق میں کوئی صفائی نہ پیش کرسکا تھا' اور غلط فہمیاں بڑھتی چلی گئی تھیں' اور فاصلے بھی بڑھتے چلے گئے تھے۔

اس نے کتنی بار نتالیہ سے رابطہ کرنا چاہا تھا' مگر وہ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔

''ہم میں تم میں جو کچھ بھی تھا' وہ اب ختم ہو چکا ہے۔ میں تم جیسے دھوکے باز سے کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتی۔''

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا' اور وہ جواباً ساکت رہ گیا تھا۔ وقت کے ہاتھوں تعلقات کی ڈور الجھی تھی تو سلجھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ قدم چلتے رہے تھے' اور فاصلے بڑھتے رہے تھے۔ نتالیہ کمال نے سب کچھ اپنے طور پر اخذ کر لیا تھا۔

وہ یقیناً یہی سمجھ رہی تھی کہ آہن التمش نے جانتے بوجھتے قدم اس کی طرف بڑھائے اور اسے دھوکا دیا۔ اسے اپنے دامِ الفت کا اسیر کیا' اور دانستہ شکست دی۔ اس کے غرور کا سر کچلا' اس کی انا کو قدموں تلے روند دیا۔ فقط اس لئے کہ وہ کمال التمش کے خاندان سے خائف تھی' اور نفرت کرتی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ یہ کوئی ''پری پلان گیم'' تھا' جسے بہت مہارت سے کھیلا گیا۔ اسے جال بنا کر پھانسا گیا تاکہ اسے سبق دیا جاسکے۔ اس کے غرور کو کچلا جاسکے۔

یہ سارے معنی اس نے اپنے طور پر اخذ کئے تھے' مگر وہ اس سے کسی بات کی وضاحت نہ کرسکا تھا' کچھ کہنے سننے کو بچا بھی کیا تھا۔

✦ ◈ ✦

ایگزیم ختم ہونے کے بعد وہ کتنے دن تک اپنے کمرے میں بند رہی تھی' اور تب حدید نے اسے آلیا تھا۔ وہ سر تک کمبل اوڑھے پڑی تھی۔ اس کے ڈسٹرب کرنے پر بہت خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

''لڑکی! مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ' جب سے ہم فارم ہاؤس سے لوٹے ہیں' تب سے تو تم اور بھی الجھ گئی ہو' معاملہ کیا ہے؟'' حدید اس کا اچھا دوست تھا' مگر وہ اندر کی کیفیت کسی سے بھی شیئر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی بہت خاموشی کے ساتھ سر جھکا گئی تھی۔

تبھی حدید نے اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا تھا۔

''اپنا خیال نہیں تو بے بے کا ہی کچھ خیال کر لو' فیضی کے متعلق ہی سوچ لو'' حدید نے بہت لئے دیئے لفظوں میں اس کی پکڑ کی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ وہ سب سے خود کو

تحمّل رکھنے کے عمل میں مکمل طور پر ناکام رہی تھی۔ ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ تبھی تو حدید فیض الحق اس گھڑی اسے بغور دیکھ رہا تھا' اور اسے لگ رہا تھا' اس کا سارا احوال چہرے پر درج ہو...... اور......

وہ اسی طور پر سر جھکائے ایک جانب تکے جا رہی تھی' جب حدید نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''الجھنیں شیئر کرنے سے کم ہوتی ہیں' اگر تمہیں کوئی الجھن مسلسل پریشان کر رہی ہے تو اسے نکال دو باہر...... کہہ دو۔'' مگر وہ تب بھی کچھ نہیں بولی تھی' یونہی ساکت سی بیٹھی رہی تھی' اور وہ جو اس کا اچھا دوست ہونے کا دعویدار تھا' اس لمحے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''اچھا اٹھو فوراً۔''

''کہاں......؟'' وہ اس کے انداز پر بے ارادہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''اس کا فیصلہ ساتھ بیٹھ کر کر لیں گے۔'' وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنا چاہ رہا تھا' تبھی شرارت سے گویا تھا' اور ثنالیہ اس کی بات پر واقعی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

پھر جب وہ سی وی کی طرف جا رہے تھے' تبھی اسے کوئی اہم کال موصول ہو گئی تھی۔

''اوہ سوری یار! میں بھول گیا تھا۔ اچھا کیا تم نے فون کر لیا...... کیا کروں؟ تم آؤ گے میری طرف یا...... اوکے...... میں آ جاتا ہوں۔ گھر پر ہی ہونا...... نہیں ڈسٹرب نہیں کیا...... میں ڈیٹ پر نہیں تھا۔'' باقاعدہ قہقہہ لگایا۔

''جن موصوفہ کے ساتھ ہوں' ان کا مزاج اگر تم بھانپ لو تو تمہیں بھی لو لگ جائے...... دو ہاتھ کہنیوں تک جوڑ کر فوراً اپنی راہ لو...... بڑی ٹیڑھی کھیر ہیں۔ ان کی سنگت میں ڈیٹ فقط نوش کی جا سکتی ہے۔ ہاہاہاہا۔'' پتہ نہیں' وہ کس سے اس کے متعلق عظیم قسم کے انکشافات کر رہا تھا۔ وہ فقط دیکھ کر رہ گئی تھی۔ فون بند کر کے بھی وہ مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ڈیٹ اور تمہارے ساتھ؟'' وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

''حشر اتنی جلد دیکھنے کا میرا قطعاً کوئی موڈ نہیں۔ ابھی تو بہت کچھ دیکھنا ہے مجھے دنیا

میں۔'' وہ مکمل طور غیر سنجیدہ تھا' وہ بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''تمہیں جلدی تو نہیں ہے؟''

''اوہ ہوں......'' اس نے گہری ہوتی شام کی خنک ہواؤں کو محسوس کرتے ہوئے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا۔

''اوکے...... مجھے ذرا کام ہے۔ تھوڑی دیر لگ جائے گی۔ ان حضرت نے بھی بے وقت پکڑا ہے۔ موصوف خود تو بیماری میں بھی فائلوں میں الجھے بیٹھے ہیں۔ دوسروں کو فراغت کے چند لمحوں میں بھی چین نہیں لینے دیتے۔ کوشش کروں گا زیادہ دیر نہ لگے' تم بور تو نہیں ہو گی نا؟'' ثنالیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے بلا تامل سر نفی میں ہلا دیا۔

''گڈ...... واپسی میں لال قلعہ میں ڈنر پکا۔'' وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھی رہی۔ چونکی تب جب حدید نے گاڑی ایک وسیع و عریض گھر کے سامنے روکی۔

''ہری اپ...... اترو۔'' وہ بادلِ نخواستہ اتر کر اس کی سنگت میں گھر کی دہلیز پار کرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھنے لگی۔ چونکی تب' جب گلاس ڈور کھول کر ایک آشنا چہرے نے استقبال دیا۔

''بڑی جلد پہنچ گئے تم۔ میں تو سمجھا تھا۔'' آہن التمش نے روانی سے بولنا چاہا تھا' مگر وہ بھی اسے اس گھڑی سامنے پا کر ساکت سا رہ گیا تھا۔

''سوری میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟'' وائٹ سوٹ پر سیاہ شال اوڑھے سرما کی اس خنک شام میں وہ ملول آنکھوں اور پُرخیال انداز اختیار کیے وہ لڑکی' بڑی بھلی سی لگی۔ وسیع و عریض' پُرآرائش ڈرائنگ روم میں پُرحدت ماحول میں بیٹھ کر خالصتاً کاروباری نوعیت کی فائلز پر ڈسکشن کرتے ہوئے بھی وہ اپنی نگاہوں کو اس کے چہرے کی جانب مائل ہونے سے روک نہ سکا۔ وہ کھوئی کھوئی سی لڑکی ذات کی کوئی گم گشتہ کڑی لگی۔ بظاہر اجنبی' مگر سارے جزو کل سے واقفیت رکھنے والی۔

کیسی بے قراری ہو گئی جان!
کیسی ہلچل سی مچ گئی تھی سارے وجود میں!

کیسے پل میں دل اس بے خبر کے سنگ چلنے لگا تھا۔ ایک لمحے میں اضطراب [illegible]

ہو گیا تھا۔

آہن التمش بظاہر حدید کے ساتھ بیٹھا تھا' مگر درحقیقت وہ کہیں اپنے اندر ہی گم تھا' جب حدید نے اسے اچانک مخاطب کیا۔

"گھر میں بڑا سناٹا ہے خیریت؟"

"سب ایک تقریب میں گئے ہوئے ہیں۔" وہ بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

ملازم کافی لے آیا تھا' مگر نتالیہ کمال جوں کی توں بیٹھی رہی تھی۔ تبھی اس نے حق میزبانی نباہنے کو اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

"آپ کافی لیجئے نا۔"

نتالیہ نے عجیب چونکنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا' لمحہ بھر کو نگاہ ملی تھی' مگر نتالیہ کی نگاہ خالی خالی سی تھی۔ دوسری جانب اگر کوئی گرمئی شوق تھا بھی تو وہ اس سرد مہری کے یخ بستہ تاثر کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے اس کی جانب سے دھیان ہٹاتے ہوئے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا' تبھی آہن التمش بھی اس کی جانب سے بہ مشکل نگاہ پھیرتے ہوئے حدید کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا۔

حدید نے اگرچہ حتی الامکان کوشش کی تھی کہ زیادہ وقت نہ لگے' مگر وہ جتنی بھی دیر وہاں رہی تھی' اسے وہ لمحے صدیوں پر محیط لگے تھے۔

شام تک اس نے خود کو ہر تاثر' ہر خیال سے بچا کر کسی نئی راہ پر لگانا چاہا تھا' مگر اب یہاں سے واپسی پر وہ ایک بار پھر اسی خیال کے حصار میں تھی۔

اس نے اس کی جانب دیکھنے سے مکمل طور پر گریز برتا تھا' خود کو اس ہر تاثر سے بے نیاز ظاہر کیا تھا' مگر دل تھا کہ پھر بھی الجھتا چلا گیا تھا۔

وہ جانتی تھی' بے بے اس کی کیفیت پر بہت پریشان تھیں' مگر دانستہ اسے براہ راست کچھ کہنے سے یا دریافت کرنے سے اجتناب برت رہی تھیں۔

حدید بھی اسے کھوج رہا تھا اور وہ...... وہ بھی شاید خود کو سمیٹنے میں مگن تھی۔

مگر اس رات جیسے وہ خود سے الجھتے الجھتے اور خود کو سمیٹتے سمیٹتے تھک گئی تھی۔ تبھی بے بے کی گود میں سر دھرتے ہوئے اپنا سارا درد بہا دیا تھا' اور ایسا کرنے سے جانے کیوں ایک طمانیت سی اندر اترتی چلی گئی تھی۔ ایک عرصے کی اضطرابی کیفیت سی تھمنے لگی تھی۔

بے بے کتنی دیر تک چپ چاپ اس کے بالوں میں ملائمت سے اپنا ہاتھ پھیرتی رہی تھیں' تبھی وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"آئی ایم سوری بے بے میں نے آپ سے سب کچھ مخفی رکھا' مگر میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے مجھے بہت اعتماد دیا ہے۔ مجھے جینا سکھایا ہے۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آپ میرے لئے ممی جیسی ہیں' مگر اس سے قبل کہ میں آپ کو مطلع کرتی...... یہ خواب سہانا ٹوٹ گیا' اور کہنے سننے کو کچھ باقی ہی نہ رہا۔" اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔

بے بے ہولے ہولے اس کا سر تھپکتی رہیں' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"تم آرام کرو اب...... رات بہت گزر گئی ہے۔" ان کا لہجہ بہت حلیم تھا۔ نتالیہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی۔ تبھی بے بے نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔

"اب پریشان نہیں ہونا...... زندگی ایک سفر ہے اور سفر کے دوران راستوں میں بہت سے سنگ میل آتے ہیں۔ انہیں غیر اہم اور سفر کا حصہ سمجھ کر بھلا دینا چاہئے۔ یہ مت سوچو کہ کسی نے تمہارے ساتھ کیا کیا...... یہ سوچو کہ اب تمہیں کیا کرنا ہے۔ زندگی پر اور خوشیوں پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے' جتنا کہ دوسروں کا...... دوسروں کے منفی رویوں کو بھول جاؤ اور اپنی آئندہ کی زندگی پر غور کرو۔" اس نے فقط ان کی طرف دیکھا تھا' پھر پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

اور پھر اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ مڑ کر پیچھے نہیں دیکھے گی۔ چلے گی اور نئی راہیں تلاشے گی۔ راہوں پر پڑنے والے سنگ میل اس کی نگاہ میں نہ ہوں گے' بلکہ وہ منزل کی طرف اپنی نظر رکھے گی۔

اس نے سوچا تھا' اور پھر خود کو ایک بار پھر مصروف کر لیا تھا۔ اس نے قصد کیا تھا کہ ہر طرح کی سوچ اس سے دور رہے...... اور وہ گزری ہر بات فراموش کر دے' مگر وقت جیسے اس کے مخالف تھا۔

آہن التمش راہ بدل بدل کر اس کی سمت پلٹنے لگا تھا۔

"میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا۔" جانے کیسے اس نے نتالیہ کمال کا پرسنل سیل فائنڈ آؤٹ کر لیا تھا۔

''نہیں...... نہیں جی سکتا میں تمہارے بغیر...... بہت چلا میں...... بہت بہت دور گیا تم
سے' مگر اتنی دوری پر...... اتنے فاصلے طے کر لینے کے بعد بھی یہی کھلا کہ بہت مشکل ہے
یہ...... یہ بے حد مشکل ہے' میں جتن کر کر کے ہار گیا' کتنی تدبیریں رائیگاں گئیں' کتنے حیلے
بہانے رد کئے' مگر دل بہت عجیب ہے...... مانتا ہی نہیں' کیا کروں؟ تم کہو کچھ۔'' اس کا لہجہ
حدتوں سے پُر تھا۔

اور نتالیہ کمال کو لگا تھا اس کی سماعتیں سلگ اٹھی ہوں' پورا وجود بھونچال کے زیر اثر تھا'
جیسے پل بھر میں کتنے قصد کئے تھے' کتنے جتن' کتنے بندھ اور کیسے ایک پل میں باطل رہا تھا
سب کچھ۔

وہ آیا تھا...... اور جان مشکل میں کر دی تھی۔

آج بھی...... سب باتوں کے باوجود آج بھی جیسے وہ تمام اختیارات رکھتا تھا۔ اندر
کے سب موسموں پر اس کا پہرہ تھا۔ وہ جو چاہتا...... روا رکھتا...... وہ اب بھی ''مختار کل'' تھا۔
کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی۔ نتالیہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھی' کچھ بھی نہیں' مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکی
تھی۔ ایک ساکت سی بت بن گئی تھی۔ کیسا جادو تھا اس کے لہجے میں' کہ وہ ایک پل میں اس
کا معمول بن گئی تھی۔

نہ کوئی جتن کام آیا تھا' نہ کوئی بندھ اور پل بھر میں وجود کا پورا علاقہ ایک اضطراب کے
زیر اثر تھا۔ وہ اسی طرح ساکت تھی' اور اس کا دھیما مدھم لہجہ اس کے گرد اپنا حصار باندھتا چلا
جا رہا تھا۔

''دل نہیں مانتا' کچھ بھی نہیں' کیا کروں۔ کوئی حل ہے' تمہارے پاس؟ تم کیسے اجنبی
ہو جاتی ہو...... کیسے نگاہ سے شناسائی کو زائل کر دیتی ہو' کیسے؟ نہ تم سے دور نکل سکا' نہ تمہیں
فراموش کر سکا' دل میں جھانکوں تو اب بھی تمہی تم ہر طرف ہو' یقین بھی' گماں بھی' میرے تو
سارے زمانے اب بھی تم سے وابستہ ہیں۔ تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا...... کیوں نگاہ بدل لی؟
کیوں اجنبی ہو گئیں؟ کیا اس طرح جینا ممکن ہے تمہارے لئے؟''

اس نے رک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی' اور برسوں کی تھکن نے اس کی ساری
ہمتوں کو جیسے زیر کر دیا تھا۔ وہ جب بولا تھا تو تھکن بے حد غالب تھی۔

''کچھ بھی ممکن نہیں ہے...... کچھ بھی نہیں۔ نہ ہمارے واسطے...... نہ تمہارے واسطے

حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں حیلہ باز ہیں...... جھوٹ بولتے ہیں۔'' اس کے انداز میں کتنی
شدت تھی' کتنی حدت تھی اور وہ ساکت سی اپنی جگہ پر تھی۔

''تم کچھ نہیں بولو گی' تم کچھ نہیں بول سکتیں' نتالیہ کمال کیونکہ تم بھی ایک حیلہ باز ہو'
دیکھتے ہوئے بھی آنکھیں بند کر لینا جس کا معمول ہے اور سنتے ہوئے بھی نہ سننا جس کا وتیرہ
ہے' مگر اس لاحاصل سفر سے آخر ہمیں کیا ملے گا؟ ہم کیوں بے سود منزلوں کی سمت گامزن
رہیں گے۔''

نتالیہ کمال کا ضبط جیسے ٹوٹنے لگا تھا۔ کتنے طوفان سمندر بن کر آنکھوں میں آن رکے
تھے اور وہ جیسے ہمت ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ خود سے' بے بسی سے کیا گیا عہد اسے عزیز ترین
تھا۔ تبھی اس نے بنا کچھ کہے سیل فون کو کان سے ہٹایا تھا' اور آف کر دیا تھا اور سر کو میز پر
لگاتے ہوئے اس لمحے وہ واقعی خود سے ہار چکی تھی۔

✦◈✖

اور اس روز بہت دنوں بعد اس کی انگلیاں وائلن سے کھیل رہی تھیں۔ بہت مگن سی وہ
ایک مخصوص دھن بجائے جا رہی تھی۔ جب حدید جانے کب اس کے سامنے آن بیٹھا۔ وہ اتنی
مگن تھی کہ قطعاً متوجہ نہ ہوئی۔ جب بہت دیر بعد اس نے تھک کر آنکھیں کھولیں تو اسے
سامنے بیٹھا دیکھ کر چونک گئی۔

''تم کب آئے؟'' وہ بہت ہولے سے مسکرایا۔

''کافی دیر ہو گئی۔ تم تو خاصی ایکسپرٹ ہو گئی ہو۔ اتنا چھپا کر کیوں رکھ رہی ہو اپنے
ٹیلنٹ کو۔ تمہیں تو ورلڈ وائیڈ متعارف ہونے کی ضرورت ہے۔ کیا کمال پلے کرتی ہو تم۔''
حدید نے اس کی تعریف کی تو وہ بہت ہولے سے مسکرا دی۔

''تھینک یو۔ ڈیڈو برگنزا بھی یہی کہتے ہیں' مگر میں نے یہ سب کسی ستائش کے لئے
نہیں سیکھا۔ مجھے شوق ہوا تھا سو سیکھ لیا۔ پلے کر کے تسکین ملتی ہے' سو بجا لیتی ہوں۔ یہ سب
میری اپنی ذات کے لئے ہے۔'' اس نے وائلن ایک طرف رکھا۔

''مگر یہ تو ناانصافی ہوئی' تمہاری صلاحیتوں کے ساتھ بھی اور اچھی سماعتیں رکھنے والوں
کے ساتھ بھی۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر فوراً بولی۔ ''تم کہو کیسے آنا ہوا؟''

"ثنا کی شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے۔ امی نے کہا ہے، تمہیں لے آؤں۔ گھر میں کوئی اور لڑکی تو ہے نہیں...... ہو تو تم بھی خاصی نکمی، مگر کیا کیا جا سکتا ہے۔ قرب و جوار میں فقط تمہی ہو، ثنا کو شاپنگ کے لئے بھی ہیلپ درکار ہے۔ سو تم سے استفادہ کرنا مجبور ہے۔ دوسرے کام بھی ہیں، جن کے متعلق امی تمہیں آگاہ کر دیں گی، طے یہ ہوا ہے کہ رخصتی تک تم وہیں رہو گی۔ آئی مین ثنا کی رخصتی تک۔" آخر میں وہ شرارت سے وضاحت دیتے ہوئے مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"شیڈول تو خاصا ٹف ہے۔ بات تمہاری ہوتی تو شاید میں انکار کر بھی دیتی، مگر آنٹی اور ثنا کو میں قطعاً منع نہیں کر سکتی۔ چنانچہ جانا ہی پڑے گا۔"

وہ مسکرا دیا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم ضروری پیکنگ کر لو، مگر ذرا جلدی، اوکے۔"

"اوکے۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا حالانکہ وہ کہیں جانے کے موڈ میں نہ تھی، مگر یہ سفر بھی ناگزیر تھا جیسے......"

✦ ◈ ✖

کچھ بھی ممکن نہیں ہے، اور جنوں ہے کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ وحشت ہے کہ تھمنے میں نہیں آ رہی ہے۔ اس کا لہجہ دھیما مگر انداز پُر وحشت تھا۔ اس کے اندر کی تمام شدتیں اس کے لہجے میں آن سمٹی تھیں۔ حدید اسے خاموشی سے تکتا رہا تھا۔

وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر عجیب پُر وحشت انداز میں سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"اس سے ملنا ممکن نہیں، اس کے بغیر، اس سے جدا ہو کر جینا ممکن نہیں، اس کو بھولنے کی کوشش کرتے رہنا اور لاکھ جتن کر کے بھی نہ بھول سکنے کی بے بسی سہنا، بھول جانا بھی جب ممکن نہیں تو پھر جینا کس طرح ممکن کروں۔ جب کچھ بھی ممکن نہیں تو پھر یہ عمر بھی کیوں ہے؟ یہاں تو پل دو پل جینا محال ہے۔ عمر کس طرح بسر کروں گا۔" اس کے پُر شدت لہجے میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔

حدید فیض الحق اسے کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے تکتا رہا تھا، پھر بہت ہولے سے بولا تھا۔

"محبت اضطراب کے سوا کچھ نہیں، محبت کی ہے تو اس مسلسل جنوں خیز بے قراری اور

اضطرابی کو بھی جھیلو......" پھر قدرے توقف سے گویا ہوا۔ "جو کچھ بھی ہوا ہے، اس میں اگرچہ تمہاری کوئی غلطی نہیں مگر نتالیہ کمال کا عظیم نقصان ہوا ہے، تم نہیں جانتے، میں نے دیکھا ہے اسے، بہت مشکل میں ہے وہ لڑکی، اس کی ہمت ہے کہ اپنے اردگرد ایک خول بنا کر اپنے اندر کو سب سے مخفی رکھے ہوئے ہے اور جیئے جا رہی ہے۔ رئیلی مجھے بھی اندازہ نہیں ہو پایا، اس کی کیفیت کا...... اسے پریشان دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تیرتی اضطرابی دیکھ کر میں یہی سمجھا تھا، اسے کوئی معمولی اور عام سی مشکل درپیش ہو گی، کوئی اس طرح کی صورت حال ہو گی، میرے سان و گمان میں بھی نہ تھا۔" وہ واقعی حیران تھا۔

آہن التمش سر اٹھا کر اسے چپ چاپ دیکھنے لگا تھا۔ حدید فیض الحق جیسے اس کی آنکھوں میں تیرتے سوال پا گیا تھا، تبھی بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"اب کیا چاہتے ہو تم......؟ جبکہ تم خود کہہ رہے ہو اور جانتے ہو کہ کچھ ممکن نہیں تو پھر یہ جنوں خیزی کیوں؟ یہ اضطراب کیوں؟ بھول جاؤ سب کچھ اور سمجھوتا کر لو جیسے نائنٹی نائن پرسنٹ کرتے ہیں۔

اگر تم میں ہے ہمت تو بغاوت کر دو!
ورنہ جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لو

حدید محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا تھا۔

آہن التمش نے اسے فقط خاموشی سے تکا تھا، پھر دھیان پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے جیسے خود کلامی کی تھی۔

"یہ جنوں نہیں تھمے گا۔ یہ شدت یونہی جان سلگاتی رہے گی اور......"

"اور تم گریباں چاک کر کے مجنوں میاں بن کے صحراؤں کی خاک چھاننے نکل جاؤ گے، او بھائی اب ایسا نہیں ہوتا۔ اکیسویں صدی ہے۔ فقط ایک ہاتھ کی جنبش سے دنیا زیروزبر ہو جاتی ہے۔ اب مجنوں پیدا نہیں ہوتے۔" حدید مسکرا رہا تھا۔ آہن نے اسے گھورا تھا۔

"تم تیل ڈالنے کے لئے یہاں بیٹھے ہو؟"

"نہیں مٹی ڈالنے کے لئے۔" حدید کا قہقہہ بے ساختہ تھا، پھر اس کی کیفیت اور صورتحال کی سنجیدگی کا احساس ہوا تو لب بھینچ لئے، پھر اسی قدر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"صورتحال بہت پیچیدہ ہے۔ نمبر ایک، تم نتالیہ کی ددھیال سے تعلق رکھتے ہو، نمبر..

نتالیہ اپنی ددھیال سے خطرناک حد تک بدظن ہے' اور شدید ترین نفرت کرتی ہے' نمبر تین اس کی ددھیال کا رویہ بھی کچھ قابل ستائش نہیں' نمبر چار نتالیہ کا والد' اس سے انتہائی حد تک لاتعلق رہا اور یہ صورتحال اب تک قائم ہے۔ نمبر پانچ تم خیر سے منگنی شدہ ہو چکے ہو' اور اس بات کو ایک سال ہو چکا ہے۔ تم نتالیہ کو کوئی بھی وضاحت دیئے بغیر چپ چاپ چھوڑ چکے ہو' دوسرے لفظوں میں نئی راہ اختیار کر چکے ہو۔ پھر اس سب کے باوجود یہ سلگنا' یہ تڑپنا' سراسر بے معنی ہے۔ کوئی معجزہ ہی تمہیں نتالیہ سے ملا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔" حدید نے سرنفی میں ہلاتے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر یکدم بولا۔ "تم آنٹی سے بات کر کے کیوں نہیں دیکھتے۔"

"کیا بات کروں ان سے؟" آہن التمش اس کی جانب سوالیہ نظروں سے تکنے لگا۔

"یہی کہ تم فارینہ اکبر سے شادی نہیں کرنا چاہتے' اور تم فارینہ اکبر سے کیوں بات نہیں کرتے۔" وہ یکدم چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگا' مگر آہن التمش نے بہت پرسکون انداز میں سرنفی میں ہلا دیا۔

"اس سے کچھ نہیں...... لڑکی میرے لئے کیا کرے گی۔ میں مرد ہو کر بے بس ہوں...... لاچار ہوں...... بے اختیار ہوں...... پھر اس سے کیا امید رکھوں۔ میں اپنے لئے کسی صنف نازک کو کم از کم آلۂ کار نہیں بنا سکتا۔"

"پھر تو تم ہی وہ واحد ہستی ہو' جو بااختیار بھی ہو اور بے اختیار بھی۔ تم خود کیوں کوئی سٹینڈ نہیں لے لیتے؟"

آہن التمش اس کی طرف دیکھتا چلا گیا تھا' تبھی وہ ہنس دیا تھا۔

"سچ کہا ہے کسی نے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے!

حدید یقیناً اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا' مگر آہن التمش کا انداز ہنوز اسی کیفیت کا آغاز تھا۔ بہت سی بے قراری اس کی آنکھوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ جان جیسے واقعی مشکل میں تھی۔

✦ ◈ ✖

کتنے دنوں سے کتنی ڈھیر ساری مصروفیت رہی تھی۔ اسے تو خود کی طرف دیکھنے کا بھی موقع نہ ملا تھا' کجا کسی اور کو سوچنا' مگر اس روز جب ہال کمرے میں سب لڑکیاں ڈھولک کی تھاپ پر بیٹھی خوشی کے گیت گا رہی تھیں' تبھی حدید نے اسے مطلع کیا تھا کہ بے بے آئی ہیں اور قدسیہ آنٹی کے پاس بیٹھی ہیں۔ اس نے کتنے دنوں سے بے بے اور فیضی کو نہ دیکھا تھا۔ اطلاع ملی تو فوراً دل مچل اٹھا اور وہ فوراً اٹھتی ہوئی قدسیہ آنٹی کے کمرے کی جانب بڑھنے لگی' مگر جانے کیسے یکدم ہی وہ اس کے سامنے آن رکا...... اس نے بہ مشکل قدم روک کر خود کو اس سے ٹکرانے سے باز رکھا تھا۔ اس کے باوجود قربت حد درجہ تھی۔ دھڑکنیں ایک لمحے میں اپنے معمول سے ہٹی تھیں۔ اس نے سنبھلتے ہوئے بے ارادہ ہی دو قدم بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی نازک کلائی کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا۔

نتالیہ کمال نے بہت چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ مگر اس کی نگاہوں کی حدت نے دوسرے ہی پل اسے نگاہ جھکانے پر مجبور کر دیا۔

آہن التمش اردگرد سے بے نیاز اسے بغور تکتا چلا گیا تھا۔

تو کیا تمہیں میں کبھی یاد بھی نہیں آیا!
کسی گلاب کو ٹہنی سے توڑ کر بھی نہیں!
سبک کلائی میں گجرے کبھی پہنتے ہوئے!
گلاب ہاتھوں میں مہندی کبھی لگاتے ہوئے
سفید دودھیا آنچل کو زرد رنگتے ہوئے
گلال ملتے ہوئے چوڑیاں پہنتے ہوئے
چمکتے ماتھے پہ بندیا کبھی سجاتے ہوئے
سنور کے دیر تلک آئینے کو تکتے ہوئے
تو کیا تمہیں میں کبھی یاد بھی نہ آیا

اس کا لہجہ...... انداز حدتوں سے پُر تھا...... نتالیہ کا سارا وجود پل میں سلگنے لگا تھا۔ کیسے شکوے تھے اس کے لبوں پر' کیسی حسرتیں بول رہی تھیں اس کی آواز میں؟ کیسی بے قراری تھی اس کے لہجے میں؟

سارا ماحول مہمیز ہوتا چلا گیا تھا۔ چار سو جیسے کوئی جادو سا بکھرتا چلا گیا تھا۔ نتالیہ کمال

بھاگنے کے ہزار جتن کرتے ہوئے بھی' سوراہیں فرار کی ڈھونڈتے ہوئے بھی اس گھڑی جیسے بے بس تھی۔ کتنی باتیں تھیں' اس شخص کے لبوں پہ...... کتنے لفظ تھے۔

مگر وہ بت سے انسان نہیں ہوئی تھی۔ تبھی آہن التمش بہت پرشکوہ انداز میں اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"کیا رائیگاں رہے گا' سب کچھ' کیا یونہی اجنبی رہیں گے ہم' سارے موسم یونہی بے ثمر رہیں گے۔"

کتنے سلگتے ہوئے سوال تھے اس شخص کے لبوں پر۔ دھیما لہجہ کتنے اسرار' کتنے بھید اپنے اندر رکھتا تھا' مگر وہ یونہی سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔

آہن التمش نے بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو قدرے اوپر اٹھایا تھا۔

"کہو کوئی راہ ہے کہ نہیں؟"

کیسے جنوں کا اسیر تھا' وہ دانا سا شخص اس گھڑی...... ہوش وخرد سے جیسے یکسر بیگانہ تھا۔ اس کا جادو سا لہجہ نتالیہ کمال کے گرد طواف کرتا جا رہا تھا' اور وہ جیسے مکمل طور پر بے بس تھی۔

"تمہیں تو خبر ہی نہیں...... جینا مشکل ہو گیا ہے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ زندگی صحرا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ پل' یہ لمحے' گزر گئے تو پھر ہاتھ نہیں آئیں گے' یہ جگنو ایک بار مٹھی میں نہ آئے تو باقی ماندہ تمام عمر تاریکی میں ڈوب جائے گی' لیکن تمہیں تو کچھ خبر نہیں' کچھ بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں کتنی یاسیت گھل گئی تھی۔

نتالیہ کمال نے تب ایک لمحے کو نگاہ اٹھا کر اس پر نظر کی تھی۔ کیسی بے بسی سے وہ اس گھڑی اس کی جانب تک رہا تھا۔ یقیناً وہ اس کی سمت سے کچھ بولنے کا منتظر تھا۔ کوئی حرف ملامت ہی سہی' مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ ساکت جامد چپ لبوں پر لئے...... جامد سکوت آنکھوں میں لئے...... اسے سرد مہری سے تکتے ہوئے' بہت آہستگی سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے رہا کئے تھے' پھر اسی آہستگی سے پلٹ کر وہ وہاں سے اٹھتی چلی گئی تھی۔۔

آہن التمش دھواں دھواں نظروں سے اس منظر کو تکتا چلا گیا تھا۔

✦◈✦

پھر وہ بہت چپکے سے وہاں سے چلی آئی تھی' ثنا نے کتنا روکنا چاہا تھا' حدید نے بھی تر کیا تھا' مگر وہ نہیں رکی تھی۔ گھر آ کر اپنے کمرے میں بیٹھی کتنی دیر تک وائلن کے تاروں سے

کھیلتی رہی تھی' اور شیشے کے اس پار کتنی بوندیں اس خنک رات میں گھاس پر گرتی رہی تھیں۔ کتنے سُر کمرے کی فضا کو اپنے سنگ باندھتے رہے تھے۔

وہ اس شام کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی' مگر فارینہ اچانک ہی چلی آئی تو بے بے نے اسے روکا نہیں۔ فارینہ کو اس سے قبل کبھی اجازت لے کر اس کے کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی' مگر بہت دنوں کی طویل غیر حاضری کے بعد وہ بھی قدرے ہیزی ٹینشن محسوس کر رہی تھی۔ دروازہ کھول کر کمرے میں دھیرے سے چلتے ہوئے اس کے قریب بیٹھنے تک فارینہ نے اسے قطعاً ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔

وہ گم صم بیٹھی اپنی نازک انگلیوں سے وائلن کے تاروں سے کھیلتی رہی تھی' اور کتنے دل گداز سُر فضا میں بکھرتے رہے تھے۔ وہ جیسے خود سے الجھ رہی تھی۔ اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ خود سے بھاگ رہی تھی۔

فارینہ کی نگاہیں رم جھم گرتی بوندوں پر جا ٹھہری تھیں۔ کتنی بوندیں شیشے پر رک کر کتنی بہت سی کہانیاں چپکے سے لکھ گئی تھیں' اور فارینہ اکبر کو ایک لمحے میں لگا تھا' نتالیہ کمال کے اندر بھی کہیں ایسی ہی بارش ہو رہی تھی۔

ایسی ہی کئی بوندیں شیشۂ دل پر جم چکی تھیں' اور سارا وجود اس خنک شام سے بھر گیا تھا۔ اسے لگا تھا...... ایسی ہی کسی سرد شام کا کوئی انجانا سا کرب اس دھن میں بھی تھا...... اور وہ کتنی محویت سے اسے تک رہی تھی۔ جب نتالیہ کمال نے ہاتھ روک کر بہت ہولے سے اپنی آنکھیں وا کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ فارینہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس فقط خاموشی سے اسے تکتی رہی تھی۔

نتالیہ جیسے اس گھڑی ایک بار پھر مشکل میں تھی۔ اس کی بے وقت آمد نے یقیناً اس کی تنہائی میں خلل ڈالا تھا' اور وہ جو بہت انہماک سے خود سے مکالمہ کر رہی تھی' اس کا تسلسل لمحہ بھر میں ٹوٹ گیا تھا۔

"کیسی ہو تم......؟"

فارینہ نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ وائلن ایک طرف رکھتے...... کھوئی کھوئی آنکھوں والی سرد شام سی لڑکی نے بہت ہولے سے اسے دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

سرما کے اس خنک موسم میں کسی بھی شال سے بے نیاز وہ اس گھڑی جیسے خود اپنے آپ سے بھی بے نیاز تھی۔ فارینہ نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ باہر بارش کے باعث موسم کی خنکی سوا ہو گئی تھی' اور وہی سرد موسم جیسے اس گھڑی ان دونوں کے رؤیوں میں در آیا تھا۔ عجیب ایک کھنچاؤ سا تھا دونوں کے انداز میں۔ جیسے شناسائی کا کوئی واسطہ کبھی رہا ہی نہ ہو۔ فارینہ کچھ دیر تک اسے خاموشی سے تکتی رہی تھی' پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''کیسے کہوں میں تم سے...... تم جو کچھ بھی سوچ رہی ہو...... وہ فقط حرف باطل ہے نہ میں نے تمہیں کوئی فریب دیا ہے' نہ ہی آہن التمش نے تم سے کوئی بے وفائی کی ہے۔ معاملہ سارا یہ ہے کہ تم فقط ایک منفی رخ پر سوچ رہی ہو۔ کچھ دیر کو رک کر اس نے جیسے مدعا بیان کرنے کو الفاظ ترتیب دیئے تھے' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''یقین کرو...... اس شخص کی مجھ سے قطعاً کوئی وابستگی نہیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ پاپا نے اپنے بزنس ریلیشن کو کچھ سٹرونگ کرنے کے لئے یہ ڈیل کی تھی۔ التمش انکل اور پاپا دونوں بزنس پارٹنرز تھے' شاید یہ بات بھی زیادہ اہم نہیں' دراصل میں تمہارا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتی۔'' وہ خاصی الجھی ہوئی سی لگی تھی۔ ثنالیہ کمال سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔

''بات یہ ہے کہ انگیجمنٹ رنگ پہننے سے قبل میں قطعاً یہ بات نہیں جانتی تھی کہ آہن التمش وہی شخص ہے' جس سے تم وابستہ ہو...... میں تو سرے سے اس جھنجٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ تم جانتی تھیں' یہ بات تبھی جب ماما' پاپا نے اس رشتے کی بابت مجھ سے بات کی تو میں نے صاف انکار کر دیا' مگر پھر جب مسلسل مجھے پریشرائز کیا گیا تو مجھے ہاں کرنا پڑی۔

مجھے اس بندے کے نام سے قطعاً کوئی غرض نہ تھی' جیسا سب چاہتے تھے' ویسا ہی کیا۔ بس چپ چاپ سر جھکا دیا۔ آہن التمش بھی جیسے اپنی طرف سے دباؤ میں تھا۔ ہم دو مختلف سمتوں کے دو مختلف افراد تھے' جنہیں بادل نخواستہ ایک سمت میں چلنا پڑا۔ مگر......'' وہ رک کر اس کی سمت دیکھنے لگی پھر بولی۔

''ثنالیہ میں نے یہ تب جانا' جب تم اس پارٹی سے بھیگی آنکھوں سمیت الٹے قدموں واپس لوٹ گئیں' مگر اس وقت میں بے بس تھی۔ تمہاری کیفیت جانتے ہوئے بھی میرے پاس مداوا کچھ نہ تھا۔ میں تمہیں اس درد سے بچانا چاہتی تھی۔ اس کیفیت سے نکالنا چاہتی تھی'

مگر...... لمحہ بہ لمحہ ہمارے درمیان بدگمانیاں بڑھتی چلی گئیں۔ فارم ہاؤس پر بھی ہم اپنے اپنے پیرنٹس کی منشا پوری کرنے آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم میں باہمی انڈرسٹینڈنگ کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ملتے جلتے رہیں' اور ایسا شاید کسی بہتری کے باعث ہی ہوا۔ مجھے آہن التمش کو قریب سے جاننے اور دیکھنے کا موقع ملا اور تب میں نے جانا کہ اس کے اندر باہر...... ہر طرف تم ہی تم ہو...... وہ سمجھوتہ کر کے بھی بارہا تمہاری کھوج میں' تمہاری سمت پلٹتا رہا۔ بارہا وہ میرے ساتھ رہا' مگر درحقیقت کسی اور کا خیال اس کے سنگ رہا' اور وہ تم تھیں۔

ثنالیہ کمال فقط تم۔ میں نے اسے قریب سے دیکھا اور جانا کہ کسی اور کی اس کی زندگی میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں اگر اس سے دستبردار ہونے کا سوچوں گی تو اس میں کوئی ہمدردی' کوئی ترس' کوئی تمنائے ستائش قطعاً شامل نہیں ہو گی۔ میں اسے اس لئے نہیں چھوڑوں گی کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے' اس میں کوئی احسان' کوئی ہمدردی شامل نہیں ہے۔ میں فقط اس لئے اس شخص کے ہاتھ کو چھوڑ رہی ہوں کہ میں اس کے ساتھ مزید نہیں چل سکتی۔

سمجھوتے کر کے شاید وہ جی سکتا ہو' مگر میں اپنی بقا یقینی نہیں سمجھتی۔ میرے لئے یہ انتہائی مشکل ہو گا...... ایک کڑی آزمائش اور میں عمر بھر آزمائش میں مبتلا رہنا نہیں چاہتی۔ نہیں رہ سکتی میں کسی ایسے امتحان میں مبتلا...... جس میں پل پل دل جلتا رہے...... جان سلگتی رہے۔ سمجھوتے ملکوں اور سرحدوں کے درمیان ہو سکتے ہیں' دلوں کے مابین نہیں۔ میں کسی سمجھوتے کی خاطر اپنی ساری زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ تم اپنا دل میری طرف سے صاف کر لو۔ اگر تمہیں کوئی دھوکا ہوا بھی ہے' کسی سازش کا شکار تمہیں بنایا بھی گیا ہے' تو اس میں' میں شامل نہیں ہوں۔

میں آج بھی تمہاری دوست ہوں...... آج بھی تمہاری خیر خواہ ہوں' آج بھی تم مجھے اتنی ہی عزیز ہو' اور میں تمہیں کوئی زک قطعاً نہیں پہنچا سکتی۔ جہاں تک بات آہن التمش کی ہے' تو اس سے بہتر جیون ساتھی شاید تمہیں کوئی اور نہ مل سکے...... وہ جس طرح تمہیں سوچتا ہے...... چاہتا ہے...... ایسا کوئی اور نہیں کر سکتا...... تم اس کی سوچوں کا محور ہو...... اس کی زندگی کا ''جزوکل'' ہو۔ کوئی اور شاید اس طرح تم' تمہاری محبت میں مبتلا نہ ہو سکے' وہ تمہارے لئے سچا ہے۔ میرا یقین کرو' بہت چاہتا ہے وہ تمہیں اور تمہارے لئے وہ ایک جہاں سے لڑ سکتا ہے' اور اس کی یہ جنگ جاری و ساری بھی ہے کیونکہ وہ تمہیں قطعاً ہارنا نہیں چاہتا۔ اس لئے اس کی

ہستیں بھی جوان ہیں۔ تم اس سے مزید بدگماں نہ ہو۔ ترک کردو یہ سلسلہ اب۔

وہ تمہاری طرف ضرور لوٹے گا۔ بس ایک گزارش ہے' جب وہ لوٹے تو اپنے دل کے در وا کر دینا۔ وہ اپنی محبتوں سے بدگمانیوں کے سارے موسم ایک پل میں دھو دے گا۔ تمام سرد جامد موسم سمیٹ کر اپنی پُرحدت محبت کو چار سو بھر دے گا۔ تم اس کا انتظار کرنا' اور در کھلا رکھنا' وہ ضرور آئے گا۔"

فارینہ اکبر نے چپ ہو کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی' مگر کتنی آہستگی سے اس کی پلکوں سے موتی ٹوٹ کر اس کی ہتھیلیوں پر آن گرے تھے۔ فارینہ نے اسے دیکھا تھا' پھر اس کے ہاتھ پر اپنا پُرتپش ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بغور تکتی رہی تھی' پھر یکدم اٹھی تھی اور پلٹ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

ثنالیہ کمال تب بھی سر جھکائے اس طرح چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔۔۔

باہر بارش اب بھی ہو رہی تھی' اور کتنی بوندیں اب بھی شیشے پر جم رہی تھیں۔

✦ ◈ ✖

کتنی جاگتی سرد راتوں کی تھکن اس کے اندر تھی۔ طبیعت کس قدر بوجھل سی ہو رہی تھی۔

اس شام جب بوندا باندی کا تسلسل جاری تھا' وہ شال اپنے گرد لپیٹ کر بے بے کو مطلع کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کئی دنوں کی بارش کے باعث ٹمپریچر خاصا گر گیا تھا۔ ٹھنڈی سرد ہواؤں نے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا' اور ٹھنڈک خاصی بڑھ گئی تھی۔ اس وقت بھی سرِشام ہی ایک کہر نے پورے ماحول کو گھیر لیا تھا۔ سرد یخ بستہ ہوائیں جسم کے آرپار ہو رہی تھیں' مگر وہ ایک معمولی سی شال لپیٹے بے پروا سی چلتی چلی جا رہی تھی۔ بوندا باندی کا تسلسل بھی پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ وہ خاصی حد تک بھیگ گئی تھی' مگر وہ جیسے ان سب باتوں سے بے نیاز ہو' اسے ایک طمانیت سی مل رہی تھی اس بے سمت سفر سے۔

کتنے دنوں کی گھٹن اس کے اندر تھی۔ سرد یخ بستہ ہواؤں میں سانس لیتے ہوئے ایک سکون اس کے اندر سرایت کر رہا تھا' نہ جانے کب تک وہ چلتی چلی جاتی یکدم پیچھے سے آنے والی گاڑی کے مسلسل ہارن نے اس کے انہماک کو یکدم توڑ دیا تھا' وہ جو ناک کی سیدھ میں چلتی چلی جا رہی تھی' پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

آہن التمش نے شیشہ اتار کر اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا تھا' پھر اس کے لئے ڈور وا

کر دیا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑی تکتی رہی تھی' تبھی وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر کر باہر نکلا تھا' اور چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ ایک لمحے کو اسے یونہی خاموشی سے دیکھا تھا' پھر اس کی یخ بستہ کلائی کو اپنے پُرحدت ہاتھ سے تھامتے ہوئے گاڑی میں بٹھایا تھا' پھر دروازہ بند کر کے چلتا ہوا اپنی سیٹ پر آن براجمان ہوا تھا۔

وہ ساکت سی بت بنی بیٹھی تھی۔ آہن التمش نے اسے دیکھا تھا' پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ ثنالیہ کمال تب بھی اسی طرح ساکت ایک جانب تکتی رہی تھی۔ تبھی وہ قدرے درشت لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"کیا پاگل پن تھا یہ......"

وہ یقیناً اسے ڈپٹ رہا تھا' مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ ساکت سی ایک جانب تک رہی تھی۔

آہن التمش نے اسے لمحہ بھر کو دیکھا تھا' پھر ونڈ سکرین کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

"جینا جب اتنا محال ہے تو پھر یہ دوریاں کیوں؟ یہ فاصلے کس لئے؟ کس لئے یہ اتنے تردد؟ یہ ڈھیروں جواز' اجنبی ہو کر جینا جب اتنا ہی کٹھن ہے تو پھر یہ سب حیلے بہانے کیوں؟"

آہن التمش کا دھیما لہجہ تپش سے بھرپور تھا۔ ثنالیہ کمال کے اندر جمی برف پر جیسے ایک ضرب پڑی ہو۔

"وہ جس طرح تمہیں سوچتا ہے' چاہتا ہے' ایسا کوئی اور نہیں کر سکتا' تم اس کی سوچوں کا محور ہو' اس کی زندگی کا جزوِ کل ہو' کوئی اور شاید اس طرح تم سے جتلا نہ ہو سکے۔" ہی از دی رائٹ پرسن فور یو۔" فارینہ کی آواز اس کے اردگرد گونجی تھی۔ اس نے خیال سے چونکتے ہوئے خود کو اس ماحول کا حصہ بنانا چاہا تھا' بہت ہولے سے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ اس کی جانب اس گھڑی قدرے غافل سا ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

ثنالیہ کمال نے بہت چور نظروں سے اس ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا تھا' کتنا کم فاصلہ تھا' مگر کتنی صدیوں کی دوری حائل تھی' پھر بھی...... کیا واقعی وہ شخص سچا تھا...... کھرا تھا...... اسے اس قدر شدتوں سے چاہتا تھا' سوچتا تھا۔

دل جیسے یکدم ہی دھڑکنے کے رموز سے پھر واقف ہوا تھا۔ دل دھڑکا تھا اور سارے

وجود میں ایک حرارت سی دوڑ گئی تھی۔ ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ دل جیسے ایک ہی آہنگ میں دھڑکتا چلا گیا تھا۔ وہ اسی طرح اس کی سمت دیکھ رہی تھی' جب آہن التمش نے بنا اس کی طرف دیکھے اپنا بھاری ہاتھ اس کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا' پھر بھی اس کی جانب سے نگاہ غافل نہیں تھی۔ دل غافل نہیں تھا...... اور...... وہ ایک لمحے میں چونکی تھی۔ اس نے ہاتھ یوں کھینچا تھا' جیسے کسی انگار نے چھو لیا ہو' وہ اس کی جانب سے یکدم ہی دھیان پھیر کر کھڑکی کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ باہر جہاں بارش اب بھی ہو رہی تھی' اور ہوائیں اسی قدر یخ بستہ تھیں۔

آہن التمش نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ گھر کے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی تھی' اور وہ ایک پل میں گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔ اس نے گیٹ کراس کرنے سے قبل جانے کیوں مڑ کر دیکھا تھا' مگر دور تک فقط دھند اور برستی بارش کے سوا کچھ نہ تھا۔

✦◈✖

شدت عشق خیر ہو تیری
کیسے عالم میں لا کے چھوڑ دیا

اسے لگا تھا' وہ بہت سخت جان ہے' اور اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔

مگر موسم نے اس پر اپنا اثر کر دیا تھا' اور وہ کتنے دنوں تک بستر پر پڑی رہی تھی۔ جس دن وہ تیار ہو کر آفس جا رہی تھی' اس دن بے بے نے چین کا سانس لیا تھا۔

"بس اب دم نہیں مجھ میں تیرے نازنخرے اٹھانے کا...... قدسیہ کئی بار کہہ چکی ہے' تم کہو تو غور کروں...... تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تو میں بھی چین سے مر سکوں گی۔ فیضی کی مجھے اتنی فکر نہیں...... لڑکا ہے...... اپنے آپ سنبھل جائے گا۔ بس یہی خواہش ہے' تجھے اپنے زندگی میں اپنے گھر کا دیکھ لوں۔" بے بے نے بہت غلط وقت پر ایک غلط ذکر چھیڑ دیا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ مزید بولتی رہی تھیں' اور وہ سن کب رہی تھی۔ دل جیسے ایک لمحے میں بیدار ہو چکا تھا۔ بے بے نے اگرچہ کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا' مگر وہ اس نہج پر سوچ ضرور رہی تھیں۔

دل جیسے اسی سنگ میل پر رک گیا تھا۔ ہر طرف ایک ہی بازگشت تھی۔ سارا وجود ایک ہی گردان کر رہا تھا۔ اس نے دو ایک بار حدید کو بھی بغور دیکھا تھا' کچھ بھی تو مختلف نہ تھا۔ کوئی

بھی تو بات چونکا دینے والی نہیں تھی' اس کے کسی انداز میں...... پھر؟ اور وہ کیوں ایسا چاہ رہی تھی کہ کچھ نہ ہو...... کچھ اگر ممکن نہیں تھا تو دل کیوں مسلسل ایک ہی بازگشت سے گونج رہا تھا' کیا وہ واقعی اس کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔

کیا وہ اب بھی......

اور اس نے اس لمحے واضح انداز میں سرنفی میں ہلایا تھا۔ تبھی حدید نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا ہوا......؟"

"کچھ نہیں......"

اس نے کہنے کے ساتھ ہی ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا تھا' اور پھر دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتے ہوئے باقاعدہ ڈپٹا تھا' خود کو...... مگر دل ایک ہی سمت چلتا رہا تھا۔

اور پھر اگرچہ وہ منتظر نہیں تھی' مگر اس کے باوجود سارا وجود جیسے ساعت بنا کچھ آہٹوں پر لگا رہا تھا۔

ڈور بیل...... فون بیل...... اس کے پرسنل سیل کی بیپ...... کیسے پل بھر میں دل دھڑکا جاتی...... اور تب وہ خود اپنی کیفیت پر آپ حیران رہ جاتی۔

اس رات جب وہ بے بے کے ساتھ بیٹھی اپنی پسندیدہ مووی دیکھ رہی تھی' ساتھ میں سیر حاصل تبصرہ بھی کر رہی تھی' جب یکدم ہی بے بے نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا' حدید کے متعلق؟"

اور وہ جو پورے انہماک سے سکرین کی جانب دیکھ رہی تھی' اور ساتھ ہی ساتھ بولتی بھی جا رہی تھی' یکدم ہی ساکت رہ گئی تھی۔ زبان بند ہوئی تھی' مگر نگاہ اسی اینگل پر جامد ہو گئی تھی۔

وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔ حالانکہ بڑی مختصر سی بات کی تھی بے بے نے' مگر اس کی ساری جان مشکل میں گھر گئی تھی۔ کتنا سناٹا سا چھا گیا تھا' سارے وجود میں...... مگر دل مسلسل چیختا چلا گیا تھا۔

کیسی ضد تھی' دل کیوں مچلے جا رہا تھا' کیسا اضطراب پورے وجود کو اپنے سنگ باندھ رہا تھا۔

"کیا سوچا پھر تم نے......؟"

بے بے نے ایک بار پھر دریافت کیا تھا' اور اس نے خود کو بھرپور انداز میں منہمک ظاہر کرتے ہوئے انہیں یکسر بے خبری سے دیکھا تھا۔

"جی...... کس کے متعلق؟"

تب بے بے نے جواباً اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

انہیں مسلسل اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ خاموش ہو گئی تھی' پھر بہت ہولے سے ٹی وی کا والیوم کم کر دیا تھا' مگر بے بے تب مزید کچھ نہیں بولی تھیں' اور وہ اس سارے عمل میں اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

"آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔" اس لمحے شرمندہ ہوتے ہوئے اس نے بالآخر خود انہیں متوجہ کیا تھا' اور تب بے بے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو...... اس کا فیصلہ تم خود کرو...... کوئی زبردستی نہیں ہے تم پر' زندگی تمہیں گزارنی ہے' فیصلے کا اختیار بھی تمہیں ہی ہونا چاہیے۔ اگر تمہیں دل کی بات قابل غور لگے تو کوئی زبردستی نہیں' دل کی دلیل بھی پُراثر ہوتی ہے۔ تم بلا تردد دل کی بھی مان سکتی ہو' مگر عقل کو وکیل کر کے۔"

"مگر بے بے دل کے فیصلے کو خردمندی کے پلڑے میں رکھنا اور پھر دونوں پلڑوں کو برابر دیکھنے کی خواہش کرنا تو بہت عجیب ہے۔ دل کے فیصلوں کو عقل تو مکمل طور پر رد ہی کرتی ہے۔" وہ بہت آہستگی سے بولی تھی۔ بے بے بہت ہولے سے مسکرا دی تھیں۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔

"ایک عمر ہوتی ہے دل کی بات ماننے کی بھی' ہماری تو گزر گئی جیسے تیسے گزری تھی۔ اب تو وہ عرصہ ہے' جب عقل ہی سب کچھ لگتی ہے۔ خرد ہی مختار کل لگتی ہے' مگر میں تمہاری عمر کے بچوں کو بھی رد نہیں کر سکتی۔ تم فی الحال دل کی بات سننے کی کوشش کرو۔"

"اور جو دل کہے اس کا کیا کروں؟" نتالیہ کمال نے بالآخر اپنا مدعا مکمل کر بیان کر دیا تھا۔

"زندگی ایک بار ہی ملتی ہے' محبت بھی ایک ہی بار ملتی ہے' سو اگر کہیں سے یہ خزانہ ہاتھ لگ جائے تو دل کی بات ماننے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" بے بے کا لہجہ مدھم تھا' اور وہ سر جھکا گئی تھی۔

"بے بے!" اس نے قدرے توقف سے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے' پھر جانے کیوں کچھ نہیں بول سکی تھی' اور تب بے بے نے بھی تردد نہیں کیا تھا۔

پھر کتنے دن اس نے اپنے اندر کی آواز سننے میں لگا دیئے تھے' اور تمام اسرار و رموز سمجھنے میں تمام عقل صرف کر دی تھی' مگر دل کے دلائل بڑے ٹھوس اور مدلل تھے' اور اس کی جان جیسے مزید مشکل میں گھر گئی تھی۔

اس روز جب بے بے کی حالت یکدم ہی بگڑ گئی تھی تو وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔ حدید ملک سے باہر تھا' اور اس لمحے اس نے خود کو کتنا تنہا محسوس کیا تھا۔ کتنے آنسو چپ چپ پلکوں سے ٹوٹتے ہوئے رخساروں پر بہتے چلے گئے تھے۔ ایک لمحے میں دل میں خیال گزرا تھا کہ اگر بے بے کو کچھ ہو گیا تو؟ اور اس سے آگے اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا تھا۔ اور یہ شاید اس کی دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ شام تک بے بے کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔

"بے بے! کیسی طبیعت ہے اب؟" اس نے جب جھک کر دریافت کیا تھا' تو وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بہت ہولے سے مسکرا دی تھیں۔

"تبھی تو کہتی ہوں...... چراغ سحری ہوں میں تو...... کچھ اعتبار نہیں...... تمہیں اپنی زندگی میں ہی اپنے گھر کا دیکھ لوں تو موت چین سے آ سکے گی۔"

"پلیز بے بے' ایسی باتیں مت کریں' بہت جینا ہے ابھی آپ کو...... میرے ساتھ رہنا ہے۔"

"تبھی بے بے نے اس کی جانب دیکھا تھا' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"ایک بات کہوں؟"

"جی......"

"تم حدید کے متعلق سوچ تو سکتی ہو نا' تم دونوں میں انڈرسٹینڈنگ بھی ہے' بچپن سے ساتھ ہو...... ایک دوسرے کے مزاج کو بھی خوب سمجھتے ہو۔"

"آپ ٹھیک ہو جائیے پھر سوچتے ہیں۔" اس نے انہیں مزید بولنے سے باز رکھتے ہوئے کہا تھا' مگر دل ایک لمحے میں مٹھی میں آ گیا تھا۔

دل کیا یا وحشی سا ہو کر سرپٹ بھاگتا چلا گیا تھا۔

✦◈✖

کتاب زیست کا اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارہ ہے

اور اس صبح اس نے جب بے بے کو اپنے فیصلے سے مطلع کیا تھا' تو بے بے کتنی دیر تک ساکت سی اس کی جانب تکتی چلی گئی تھیں۔

"آپ بھی تو یہی چاہتی ہیں نا' پھر تعجب بھی کیا ہے۔ حدید بہت اچھا ہے' بہت انڈر سٹینڈنگ ہے۔" وہ وضاحتیں دیتی دیتی بالآخر خود ہی تھک کر چپ ہو گئی تھی۔ بیگ شولڈر پر ڈالتی ہوئی اٹھی تھی' اور باہر نکل آئی تھی۔

کیا عجب ہے...... زندگی یوں بھی تو کرتی ہے...... یوں بھی تو ہو ہی جایا کرتا ہے۔ عجب کیا ہے' خواہشوں کی حقیقت فقط خوابوں جیسی ہے اور درحقیقت۔" اس نے تھک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

حدید اس روز بھی نہ لوٹا تھا۔ وہ آفس سے اٹھی تو گھر جانے کا قطعاً کوئی موڈ نہ تھا' مگر فارینہ کا فون آیا تھا۔ وہ باہر جا رہی تھی۔

کتنے دن سے وہ اس سے غافل سی تھی یا شاید وہ اس کی جانب سے کسی پیغام کی منتظر تھی۔ بدظن تو نہ تھی۔ سارے شکوے گلے تو اسی روز آنسوؤں کی صورت بہہ گئے تھے' اور دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا تھا' مگر اسے اس کے بعد اپنے اندر سے نکلنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ دیکھتی اور سوچتی۔ فارینہ کے فون نے اسے شرمندہ سا کر دیا تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ گھر پہنچ کر فریش ہو کر اس کی طرف نکلے گی' اگرچہ وجود پر برسوں کی تھکن تھی' کتنا بہت سا بوجھ تھا دل پر...... کتنی بھاری سی ہو رہی تھی طبیعت' جی کتنی شدت سے رونے کو چاہ رہا تھا۔ وہ کسی سے نہیں کہہ سکتی تھی کچھ بھی۔

کتنی خواہشیں دل کے ایک کونے میں بکل مارے جا دبکی تھیں۔

کیسی جنوں خیزی اب بھی غالب تھی دل پر...... اور وہ دل کو تھپک تھپک کر سلانے کے جتن کر رہی تھی۔

کتنے تھکے ہوئے انداز میں اس نے گھر کی دلیز پر قدم دھرے تھے' جب ایک ہلچل نے اسے چونکا دیا تھا۔ حدید مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھا تھا۔

"آفس ٹائم پانچ بجے ختم ہو جاتا ہے' اور تم نے گھر پہنچنے میں دو گھنٹے لگا دیئے۔ کیا

اوور ٹائم لگانے بیٹھ گئی تھیں؟" وہ یقیناً مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا' اور وہ ساکت سی تکتی گئی تھی۔ دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر دبانے لگا تھا۔

ایک خواہش سر پٹختی چلی گئی تھی' مگر اس نے ہر طرف سے اپنے کان بند کر لینے چاہے تھے۔

"کتنے لوگ کب سے منتظر ہیں تمہارے۔ انتہائی تھکا ہوا تھا مگر جیسے ہی گھر پہنچا' بے بے کا فون آ گیا اور میں خود کو روک ہی نہیں سکا۔ یہ تم نے منہ پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں؟" وہ جو وہیں راہداری میں رک گئی تھی۔ حدید یکدم اس کا ہاتھ تھام کر اسے لئے آگے بڑھنے لگا تھا۔

✦ ◈ ✖

گھر میں موجود گہما گہمی بتا رہی تھی کہ قدسیہ آنٹی سمیت سب رسم کرنے آن پہنچے تھے۔ کب سے بے چینی سے منتظر تھے' وہ سب تو...... بات فقط اس کی ہاں کی تھی...... اور اس نے صبح ہی سگنل دے دیا تھا۔ سو یہ سب تو ہونا ہی تھا...... مگر دل...... دل جانے کیوں بے کل ہوا جا رہا تھا۔ حدید اس کا ہاتھ تھامے اسے جیسے کھینچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

اس کے قدموں میں تو جیسے ہمت ناپید تھی۔ اسے لگا تھا' ابھی حدید اسے چھوڑے گا' اور وہ زمین بوس ہوتی چلی جائے گی۔ اس نے سوچا تھا' اور دل چاہا تھا کہ وہ اپنی آنکھیں بہت زور سے میچ لے۔ اتنی زور سے کہ کوئی منظر دیکھ نہ پائے۔

"محترمہ آ گئی ہیں۔

دیر ہوئی آنے میں لیکن شکر ہے پھر بھی آئے تو
آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا پہلے پہل گھبرائے تو

حدید ہنستے ہوئے جانے کس کو متوجہ کر رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھانی نہیں چاہی تھی' مگر بلا ارادہ جو نگاہ اٹھی تو ساکت رہ گئی تھی۔

آہن التمش اس کے روبرو تھا۔ نظروں کے عین سامنے تھا۔

اور کتنے لوگ اس کے ہمراہ تھے۔

تو کیا...... تو کیا وہ فتح ہو گیا تھا۔

محبت جیت گئی تھی؟

دل جیت گئے تھے؟

کتنے چہرے اس سے گرمجوشی سے مل رہے تھے۔ محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ لگاوٹ کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس کے سامنے ہی غالباً ڈیڈی تھے۔ کتنی باتیں تھیں' ان کے لبوں پر' کتنا کچھ کہہ رہے تھے وہ۔ پھر اس کا سر بہت ہولے سے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کتنی شفقت سے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ کتنی معذرتیں تھیں...... کتنے پچھتاوے تھے...... کتنی حسرتیں تھیں...... وہ کیا کیا شمار کرتی۔

اسے تو سدا ناممکن لگا تھا' سب کچھ۔

نفرت تھی اسے ان سب لوگوں سے' پھر ان کی آمد سے' مگر ان کی موجودگی سے اتنی طمانیت ہی کیوں دوڑ گئی تھی سارے وجود میں۔ خود سے سوال کرتے ہوئے اس نے فیضی کی طرف دیکھا تھا' جو ڈیڈی کے ساتھ لگا بے حد مسرور سا تھا۔ اور بے بے...... کچھ دن قبل کی بیماری کا شائبہ تک نہ تھا ان کے چہرے پر۔

کیا وقت واقعی سب سے بڑا مرہم ہے؟ کیا واقعی وقت چارہ گر ہے؟ اور سب باتوں کا مداوا کر سکتا ہے۔ کیا بے بے نے ان سب کو معاف کر دیا ہے۔ اپنی بیٹی کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں پر انہیں بخش دیا ہے۔ سب کچھ فراموش کر دیا ہے۔

سب کے چہرے باری باری تکتے ہوئے وہ جیسے حیرت کدے میں بند تھی۔

جب حدید نے بہت شرارت سے جھک کر اسے چھیڑا تھا۔

''کیسی عجیب لڑکی ہو تم...... کم از کم کچھ شرم کر لو...... اب یہی سب تمہاری سسرال میں بھی شامل ہونے جا رہے ہیں' اور وہ حضرت جنہیں مستقبل میں تمہارا سرتاج ہونے کا شرف حاصل ہوگا' وہ بھی عین سامنے موجود ہیں۔''

مگر وہ شرمائی نہیں تھی' نہ ہی مسکرائی تھی' چپ چاپ اس شخص کی سمت تکنے لگی تھی۔

کیسا والہانہ پن تھا اس کی نگاہوں میں۔

دل ایک پل میں دھڑکنے کے رموز سے آشنائی پا گیا تھا۔

جی پھر سے زندہ ہو گیا تھا۔

سارے بدن میں جیسے زندگی کی رمق دوڑنے لگی۔ اس نے بے بے کی جانب دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر بہت اطمینان تھا اور آنکھوں میں بہت سکون۔ اس کے دیکھنے پر اس کی

جانب متوجہ ہوئی تو نظروں ہی نظروں میں خوشی کے کتنے پیام دے ڈالے تھے اس نے۔ کب کی رکی ہوئی ایک گہری سانس خارج کی تھی' اور پھر فوراً ہی پلٹ کر باہر نکل آئی تھی۔

کچن میں چائے بناتے ہوئے بھی اس کا سارا کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔ اچانک اس کی پشت پر آہٹ ہوئی تھی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ حدید ہوگا...... تبھی بولی تھی۔

''حدید یہ کیسے ممکن ہوا؟ یہ سب تو......'' کہتے کہتے وہ یکدم پلٹی تھی' جب اپنے مدِ مقابل آہن التمش کو دیکھ کر چپ ہو گئی۔

آہن التمش اسے بغور تکتا چلا گیا تھا۔ وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔ آہن نے قدم بڑھا کر فاصلوں کو اور بھی محدود کر دیا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی فرش کو تکتی رہی تھی۔ آہن التمش نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لیا تھا' پھر اس کے چہرے کی سمت تکتا ہوا بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''چاہت ہو گر درمیاں تو فاصلوں کی حقیقت بے معنی ہو جاتی ہے۔ محبت ساتھ ہو تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔ دیکھو چاہا تھا تمہیں' سو آج پا بھی لیا' محبتوں کی سچائی اٹوٹ ارادوں پر ہے' جتنی مضبوط جڑ محبت کی ہوگی' اتنی ہی ہمت آپ کے اندر ہوگی' اور اتنے ہی استقلال سے آپ لڑ بھی سکیں گے۔ تمہاری محبت نے مجھے ہارنے نہیں دیا۔ میں رکا تو دل تمہارے حق میں تاویلیں دینے لگا...... تم سے دور رہنے کی ٹھانی تو دل نے بغاوت کر دی' اور ساری جان مشکل میں گھر گئی۔ کہو اب تو اعتبار ہے نا۔'' زیرِلب مسکراتے ہوئے آہن التمش نے اس دھان پان سی لڑکی کی جانب دیکھا تھا۔

اور وہ جو اتنی دیر سے چپ تھی' یکدم ہی سر اٹھا کر اسے تکنے لگی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ تھا۔

''بے وفا تھا نا میں...... دھوکے باز...... فریبی......'' سارے الزامات دہرائے...... حتالیہ کمال کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔

''ہاں تھے۔'' بڑے وثوق سے وہ یکدم بولی تھی۔

وہ چونکتے ہوئے دیکھنے لگا تھا' تبھی وہ مسکرا دی تھی۔

''مگر اب نہیں ہو۔'' بہت دھیمے لہجے میں کتنا ڈھیر سارا اعتماد تھا' تبھی آہن التمش نے بغور تکتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

”جب محبت تھی تو بدگمان کیونکر ہوئیں۔ تمہیں لگتا تھا کہ میں ایسا ہو سکتا ہوں؟“
ثنالیہ کمال نے سامنے کھڑے لمبے چوڑے شخص کو دیکھا تھا' پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
”اگر میں تم سے سچ مچ بدگمان ہوتی تو آج تم میرے سامنے یوں کھڑے گفتگو نہ کر رہے ہوتے...... سب وقتی غصہ تھا' میں بھی انسان ہوں' بندہ بشر ہوں۔ ہوپ لیس ہو سکتی ہوں...... بدگمان ہو سکتی ہوں...... مگر ایسی کیفیات مستقل نہیں رہتیں۔ بندہ حقیقت کو قبول ضرور کرتا ہے' ایک نہ ایک دن۔“
”اور حقیقت کیا تھی؟“ وہ مسکراتے ہوئے فوراً بولا تھا۔
وہ ہونٹ بھینچ کر اسے تکنے لگی تھی۔ پھر یکدم مسکرا دی تھی۔ ”ہم ایک کشتی کے سوار تھے......سو منزل تو ایک ہی تھی' ملنا ہی تھا' سو مل گئے۔“
اس نے عجیب بے نیازی سے شانے اچکائے تھے۔ تبھی آہن التمش کے جاندار قہقہے نے ماحول کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

✦◈✖